

نازیہ کنول نازی

ناولٹ

سرخ عینک و سیاہ لکڑی کی جاکٹ



WWW.PAKSOCIETY.COM

خواب پوش آنکھوں کا
آنسوؤں سے بھر جانا
حسرتوں کے ساحل پر
تلیوں کا مرجانا
جس کی ہواؤں میں
خوشبوؤں کا ڈر جانا
دل کے گرم صحرائیں شہری ہوا ہونا
درد لانا ہونا

کیا بہت ضروری ہے؟
اب تیرا جدا ہونا!

بارش تیز ہو رہی تھی اور وہ ہر چیز سے بے نیاز
بھینکا جا رہا تھا۔ اسے اس چیز کا قطعی احساس نہیں تھا
کہ وہ کب سے وہاں ٹیرس پر کھڑا بھینکا رہا ہے اس کا
سیل بجن کر اب خود ہی بند ہو گیا تھا۔
”سالار! یہ بھی جانے کب تک وہ مزید بارش
میں بھینکتا کہ گرینڈیا کی میٹھی پکار پر اسے پلٹ کر ان
کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔“

”جی گرینڈیا! یہ
”یہاں کیوں کھڑے ہو مائی سن؟ اتنی تیز بارش ہو رہی
ہے بیمار پڑ جاؤ گے۔“ ان کے لمبے میں انہی نظر تھا۔
سالار کے لبوں پر پھینکی سی مسکائی بکھر گئی۔
”تنتے سالوں میں بھی بیمار پڑا ہوں گرینڈیا! جواب
پڑوں گا۔“

”بری بات۔ ایسے نہیں کہتے مینا“ مصیبت پر صبر
کرتے ہیں اور نعمت پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے
ہیں۔“ اسے فوراً ٹوکتے ہوئے وہ بولے تھے سالار
”میں بازوؤں کے حلقے میں لے کر نیچے چلا آیا۔
”پھوپھو کی طرف چلیں گے؟“

”ہوں۔ دو مرتبہ فون آچکا ہے اس کا۔“
”چلیں پھر میں گاڑی نکالتا ہوں آجائیں۔“ خالی
خالی سے اعصاب کے ساتھ تیز لہجے میں گستاخ ہال
کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔ پیچھے عنایت اللہ صاحب
نی نی پیچ نیل سے اٹھا کر اس کے پیچھے ہی چل دیے۔
گلے پیچس منٹ میں وہ لوگ مسز رحیم کے گھر میں

بیٹھے ان کا مسرت سے جگمگا چہرہ دیکھ رہے تھے۔
”بابا جی کتنی دیر کر دی آپ لوگوں نے یہاں پہنچنے
میں۔ میں صبح سے آپ کی راہ دیکھ رہی تھی۔“ پھوپھو
اب شکوہ کر رہی تھیں۔ سالار سر جھکا گیا۔
”ایم سوری پھوپھو گرینڈیا کا کوئی قصور نہیں اصل
میں میں ہی وقت نہیں نکال سکا تھا۔“
”تم تو ہو ہی تالاق میں ناراض ہوں تم سے
بس۔“ وہ روٹھی تھیں سالار ان کے بچکانہ انداز پر
مسکرایا۔

”لو کے“ میں چلتا ہوں پھر۔ جب آپ مجھ سے
ناراض ہیں تو میرا یہاں کیا کام۔“
”سالار! بسٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں۔“ اس کی
دھمکی پر مسز رحیم نے شدت دکھائی تو وہ کھنکھلا کر
ہنس پڑا۔ ”یہی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی۔“

”السلام علیکم امی۔“ اس کی نگاہ ابھی سالار پر نہیں
پڑی تھی۔ لہذا تیزی سے چل کر آتے ہوئے اس نے
مسز رحیم کے گلے میں بائیں ڈال کر ان کا بوسہ لیا تھا۔
سالار کے پھلے لب فوراً سمٹ گئے۔
”وعلیکم السلام۔“ توجہ واپسی میں اتنی دیر کر دی
خیریت تو تھی نا؟“ مسز رحیم نے پیار کرتے ہوئے اس
کے بال میٹھے تھے جب وہ بولی۔

”جی امی بالکل خیریت تھی بس آج آفس ٹائمنگ
کے بعد سر نے اپنے گھر پر ایک چھوٹی سی پارٹی رکھی
تھی تو سارا ایشاف ادھر ہی مدعو تھا۔ ابھی بھی آفس کی
گاڑی چھوڑ کر گئی ہے۔“ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد
اس نے جونہی سر اٹھایا جناب عنایت اللہ صاحب اور
سالار کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”ارے۔“ گرینڈیا آئے ہیں، واؤ۔ السلام علیکم
گرینڈیا۔“ سالار کو یکسر نظر انداز کرتی وہ مسز رحیم کو
چھوڑ کر عنایت اللہ صاحب سے پلٹ گئی تھی۔

”وعلیکم السلام، جیتی رہو، کیسی ہو؟“ اب وہ اسے
پیار کر رہے تھے۔ اریبہ جان بوجھ کر سالار کے پہلو میں
ٹنگ گئی۔

”فائن گرینڈیا۔ آپ ہمارا نیو گھر دیکھنے نہیں آئے“

”کیوں؟“
”آؤ گیا ہوں بیٹے اب گھر ہی دیکھوں گا۔“ اس
کے نرمے انداز پر وہ مسکرائے تھے جب سالار لب
بجھتی ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔
”لو کے پھوپھو“ میں اب چلتا ہوں ایک دوست کو
ایئر پورٹ سے ریسیو کرنا ہے۔“
”ارے۔“ کچھ کھانا نہ پیا بیٹھ جاؤ چپ کر کے میں
کھانا لگا رہی ہوں۔“

”نہیں پھوپھو دیر ہو جائے گی، پھر سہی گرینڈیا
یہیں ہیں میں شام میں پھر آ جاؤں گا۔“ اس بار جلدی
سے کہتا وہ ان کے سامنے سر جھکا گیا تھا۔ مسز رحیم نے
شام میں دوبارہ آنے کے وعدے پر اسے پیار دیا اور باہر
گیٹ تک چھوڑنے آئیں، جبکہ اندر اریبہ، عنایت
اللہ صاحب سے باتوں میں مصروف ہونے کے باوجود
جیسے وہاں نہیں تھی۔



”سرے آئی کم ان۔“ دروازہ ہلکے سے ٹاک
کر کے وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی جب شاہ روز
آندھی نے فون کا ریسیور کریڈل پر ڈال کر فوراً اثبات
میں سر ہلا دیا۔

”آئیے مس اریبہ میں آپ ہی کا ویٹ کر رہا
تھا۔“

”خیریت؟“ چمکتی ذہن نگاہیں شاہ روز آندھی کے
خوب صورت چہرے پر جماتی وہ ان کے سامنے ہی
کر سی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”ہوں خیریت ہی ہے، اصل میں کل دینی والوں
سے جو میٹنگ ہوئی تھی وہ کسی وجہ سے کل کی بجائے
آج شام میں ہو رہی ہے ہمارے علاوہ ملک کی تقریباً
تمام نامور کمپنیوں کے چیف اس میٹنگ میں شرکت
کر رہے ہیں۔ یقیناً سالار شیرازی بھی ہو گا۔ مجھے ہر
قیمت پر یہ کنٹریکٹ اپنی کمپنی کے لیے حاصل کرنا ہے
اور ایم شیور۔ کہ ایسا ہی ہو گا۔“

”جی سر۔ آپ بے فکر رہیں۔ ان شاء اللہ ہماری

کمپنی کے علاوہ وہ لوگ کسی اور کو یہ کنٹریکٹ دے ہی
نہیں سکتے۔“ اریبہ کا جواب اور یقین شاہ روز کے
حسب توقع تھا۔ لہذا اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔
”گڈ۔“ مجھے آپ کی صلاحیتوں پر سو فیصد یقین
ہے تو پھر شام میں تیار رہیے گا۔“

”جی۔“ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی وہ اپنی سیٹ
چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شام میں ہونے والی میٹنگ
میں سالار شیرازی کی شرکت کا جان کر اس کے اندر جیسے
پھر بجلی سی دوڑ گئی۔

شام میں مغرب سے پہلے ہی جس وقت وہ شاہ روز
آندھی کے برابر تقاضے چلتی میٹنگ ہال میں داخل
ہوئی وہاں موجود تمام ممبران نے اس کی جانب توجہ کی
تھی۔ پچھلے چھ ماہ میں اس لڑکی نے محض اپنی ذہانت اور
ہوشیاری کے بل بوتے پر ”شاہ روز انڈسٹری“ کو کہاں
سے کہاں پہنچا دیا تھا، بڑے بڑے تمام کنٹریکٹ وہ
چٹکیوں میں اڑا لیتی تھی اور دیگر کمپنیوں کے مالکان اپنے
اپنے سیکریٹری صاحبان کے ساتھ محض اس کا منہ
دیکھتے رہ جاتے تھے۔

اس وقت بھی مکمل بلیک کیڑوں کے ساتھ بلیک
اسکارف لیے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ
مکمل پراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ سالار کی نگاہ
جونہی اس کی جانب اٹھی اس کا اندر پھر سے جل کر
راکھ ہو گیا۔ تاہم اسے امید تھی کہ اس بار اس کی
سیکریٹری اسے ہوش رہا حسن اور ذہانت سے ضرور
”اریبہ شاہ“ کو مات دے دے گی اور بس وہ اسے مات
ہی تو دینا چاہتا تھا۔ اس کا منہ ہی خوب صورت لڑکی کو
جواب بھی اسے جان سے بڑھ کر پیاری تھی۔

اریبہ شاہ کی نگاہ بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ تاہم اس
نے پچھلے چھ ماہ کی طرح اس بار بھی اسے سامنے پا کر یکسر
نظر انداز کر دیا تھا۔ تاہم اس کی نئی سیکریٹری پر اس کی
مسکراتی نگاہیں ضرور کچھ لمحوں تک ٹھہری رہی
تھیں۔ میٹنگ سے قبل وہاں ہال میں اس کی خوب
تعریف ہو رہی تھی۔ جس پر شاہ روز کا سینہ اگر خوشی و
تفاخر سے پھول رہا تھا تو سالار شیرازی کے اندر آگ لگ

گئی تھی وہ اس وقت بالکل خاموش تھا اور اربہ اس کی خاموشی کو بڑے بھرپور انداز میں محسوس کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں مینگ شروع ہو گئی۔ ایک کے بعد ایک کمپنی کے عہدے داران اپنی اپنی کمپنی کی شان میں قصیدے پڑھتے، دینی ڈبلی کیشن کو متاثر کرنے کی کوششوں میں لگے رہے، سالار شیرازی کی سیکرٹری نے بھی اپنی کمپنی کے بارے میں جواطمینان دلایا اور بحث کی اربہ اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی۔ تاہم سب سے آخر میں جب اس نے خود بولنا شروع کیا تو گویا اک سال بندہ گیا۔ جیسے جیسے وہ اعتماد سے بول رہی تھی، شاہ روز گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ آج سے چھ ماہ قبل جب وہ اس کے آفس میں ملول انداز میں آئی تھی۔ تب اسے جب آفرو دیتے ہوئے اسے اتنا اندازہ نہیں تھا کہ یہ لڑکی محض چند ہی ماہ میں یوں اس کی ڈوبی ہوئی کمپنی کو اوپر لے آئے گی، وقت کے ساتھ ساتھ وہ اب اس کی پرسنل سیکرٹری سے اس کی فیملی کا حصہ بن کر رہ گئی تھی اور یہ ہی چیز سالار شیرازی سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اس کا دیرینہ دوست تھا۔ یونیورسٹی تک دونوں کا تعلق بہت گہرا رہا تھا۔ تاہم بعد میں جب ایک چھوٹی سی بات پر دونوں کا شدید اختلاف ہو گیا تو شاہ روز سالار کے پیارا کی نامور کمپنی میں اچھی پوسٹ پر جاب کی بجائے ملک سے باہر چلا گیا اور تین سال کے بعد جب سالار اپنے والد کی نامانی وفات کے بعد خود بزنس لائن میں اپنے والد کی سیٹ پر آگیا تو اس نے بھی اپنی جمع پونجی انٹھکی کر کے اللہ کے بھروسے پر اپنی چھوٹی سی کمپنی شروع کروادی۔

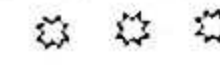
سالار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کی کمپنی بھی غیر ممالک کے لیے اعلا کوآئی کے انتہائی قیمتی بیڈ کور پر دے، کپڑے وغیرہ تیار کرتی تھی یہ اس کی خوش بختی رہی تھی کہ سفر کے آغاز میں ہی اسے اربہ جیسی بے حد حسین ذہین و فطین اور باصلاحیت لڑکی کا ساتھ مل گیا تھا جو اس سے پہلے سالار کی کمپنی میں کام کرتی

تھی، شاہ روز نے دو تین مینگز کے دوران ہی اسے دیکھا تھا اور اسے وہ بے حد اچھی لگی تھی، سارا سی مگر اپنے کام سے بے حد مخلص۔

یہ ہی وجہ تھی کہ جب اس نے سالار کی کمپنی چھوڑی، شاہ روز نے فوراً اسے جاب آفر کر دی اور یہ ہی نہیں بلکہ اربہ شاہ کے بار بار انکار کے باوجود اس نے اسے اپنی کمپنی میں کام کے لیے متا کر ہی دم لیا۔ اور آج وقت نے ثابت کر دیا تھا کہ اس کا وہ اقدام کتنا صحیح تھا۔

اربہ شاہ کی توقع اور یقین کے عین مطابق وہ کنٹریکٹ انہیں مل گیا تھا جس پر شاہ روز کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ جبکہ سالار شیرازی لب بلبھتے سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا تھا۔

اربہ شاہ ایک مرتبہ پھر جیت گئی تھی۔ مگر ایک مرتبہ پھر اسے سالار آئندی سے جیت کر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی، لوگ اس کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔ اس کے آفس کے کولیک اسے مبارک باد دے رہے تھے، مگر وہ مصنوعی مسکراہٹ لیوں پر پھیلائے وہاں ہوتے ہوئے بھی جیسے وہاں نہیں تھی۔



سالار شیرازی کے ساتھ اس کا تعلق محض دل کا نہیں روح کا بھی تھا۔

وہ محض چھ سال کی تھی جب اس کی ماما سے لے کر اپنے میکے چلی آئی تھیں۔ اس سے بڑا بھائی اس کے والد کے پاس ہی رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس کے مطابق ہمیشہ گھریلو جھگڑوں میں قصور اس کی ماں کا ہوتا تھا۔ وہ باپ کا حامی تھا۔ لہذا اس بار شدید جھگڑے کی صورت میں اس نے باپ کا ساتھ دیا اور مسز جیم اربہ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے والد اور اکلوتے بھائی اسجد شیرازی کے پاس چلی آئیں۔ ان کے والد عنایت اللہ شیرازی ان دنوں فوج میں کرنل کے عہدے پر فائز تھے جبکہ بھائی اسجد شیرازی بھی فوج میں ہی کیپٹن تھے۔ اسجد شیرازی کی محبت کی شادی تھی اور ان کی

محبوب بیگم صرف ایک بیٹے سالار کو جنم دینے کے بعد دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کی رحلت کے بعد اسجد صاحب نے کسی دوسری عورت کی رفاقت کو خود پر حرام کر لیا تھا، یوں سالار اپنی ذات کی تنہائیوں کا شکار ہو گیا۔ وہ دس سال کا تھا جب مسز جیم اپنی چھ سالہ بیٹی کو لے کر وہاں آئی تھیں اور یوں سالار کو جیسے ایک بستر رشتے کے ساتھ بہترین مصروفیات بھی مل گئیں۔

وہ سارا دن اربہ اور مسز جیم کے پیچھے پیچھے رہتا، جبکہ مسز جیم بھی اپنے اکلوتے بیٹے کو جان سے بڑھ کر چاہتیں، پیار کرتیں، اگلے پانچ سال یونہی بیت گئے۔ اس دوران اربہ جس کی ذہانت، شعور، سنبھالنے پر ہی کھل گئی تھی، ٹیڈل سیشن میں آگئی تھی، جبکہ سالار اسکول کی دنیا کو الوداع کہہ کر کالج لائف میں آگیا۔ اس کی پوری کلاس میں اس کی وجاہت اور ذہانت کے چرچے تھے بچپن سے لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اربہ کے لیے اس کے احساسات میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اسے اتنی اچھی لگتی تھی کہ اس کا بس نہ چٹا تھا کہ اسے سب سے چھپا کر اپنے ہی دل اور کمرے میں مقید کر کے رکھ لیتا۔

اربہ سے بھی اس کے یہ احساسات زیادہ دن تک پوشیدہ نہ رہ سکے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس روز جب سالار نے پہلی بار اپنی پاکٹ منی سے اس کے لیے گفٹ خرید اور اسے برتھ ڈے شوش کیا تو اسے بے پناہ خوشی ہوئی۔ رات میں جب سب سو گئے تو وہ اس کے کمرے میں اسے جگانے کے لیے آیا تھا۔

”اربہ“ اس کی مدھم پکار پر اس نے خاصی حیرانی سے کروٹ بدلی تھی اور وہ اسے جاگتا پا کر اس کا ہاتھ تھام گیا۔

”باہر آؤ مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔“ اور وہ حیران حیران سی، ایک نظر اپنی ماں کو دیکھتی اس کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر چلی آئی تھی۔

”ہاں کہو۔ کیا بات کرنی ہے؟“ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، جبکہ سالار کے چہرے پر شرارت تھی۔

”پہلے وعدہ کرو، برا تو نہیں مناؤ گی؟“

”کیا تم کچھ ایسا کہنے لگے ہو جو غلط ہے۔“

”نہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر میں برا نہیں مناؤں گی۔“

”کچھ۔“ وہ یقین چاہ رہا تھا۔ اربہ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اربہ۔“ آئی لو یو۔“ اس کے یقین پر فوراً

جذبات سے بوجھل آواز میں اس نے کہا تھا اور اربہ کی لرزتی پلکیں فوراً جھک گئی تھیں۔ اس کا سر دہاتھ سالار کے پر حمت ہاتھ کی گرفت میں کلب رہا تھا۔

سالار کتنی ہی دیر اس کے روپ کا یہ حسین نظارہ دیکھتا رہا تھا۔

دونوں طرف محبت کا یقین پختہ ہو جانے کے بعد جیسے ان دونوں کے لیے ہی زندگی بے حد حسین ہو گئی تھی۔ اربہ کوئی ایسا کام نہیں کرتی تھی جو سالار کو ناپسند ہوتا اور اوسر سالار کے لیے بھی وہی کام اور بات اہم تھی جس میں اربہ کی پسند اور خوشی ہوتی۔

روزانہ کالج جانے سے پہلے وہ اربہ سے اپنا یونیفارم پر لیں کرواتا، وہی اس کا بیگ سیٹ کرتی اور اس کے لیے ناشتلاتی، کالج سے واپس آکر وہ چاہے جتنی بھی مصروف ہوتی وہ اسے پکڑ کر بیٹھ جاتا اور زبردستی دن بھر کی روداد سناتا۔

کبھی بھولے سے جو اس کے سر میں درد ہو جاتا یا وہ حرارت کا شکار ہوتا تو پھر اربہ کی شامت آجاتی تھی۔

جب تک وہ سونہ جاتا وہ اس کی تیار داری کے ساتھ ساتھ اس کے پاس بیٹھی اس کا سر اور جسم دباتی رہتی، اس دوران چاہے اس کی آنکھیں نیند سے بند ہوتی رہیں، اسے اٹھ کر جانے کا اختیار نہیں تھا۔ سالار کی محبت میں شدت تھی۔

اس کی محبت کے معاملے میں وہ انتہا درجے کا شدت پسند اور خود غرض تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں محبوب کے قریب سے ہوا کے جھونکے کا گزرتا بھی گوارہ نہیں ہوتا، وہ اس پر اپنا حق محض سمجھتا ہی نہیں جتنا بھی تھا۔ اربہ کو کبھی کبھی اس کی شدت رنج

کر کے رکھ دیتی تھی۔

عنایت اللہ صاحب کی رٹائرمنٹ کو ابھی کچھ ہی سال ہوئے تھے کہ اسجد صاحب نے بھی رٹائرمنٹ لے لی اور اپنے ایک نہایت قریبی دوست کے مشورے پر اعلیٰ کوانٹی کے کپڑے کی تیاری کے لیے چھوٹی سی کمپنی بنالی، ان ہی دنوں مسز رحیم کی ان کے سسرال دلول سے صلح ہو گئی، تو وہ اربہ کو لے کر واپس اپنے گھر شفٹ ہو گئیں۔ تاہم سالار اس پر بھی کتنے ہی دن تک بے حد اپ سیٹ رہا تھا۔

اس کے بعد وہ روزانہ کلج سے آکر مسز رحیم کے گھر چلا جاتا۔ مسز رحیم اربہ سے اس کے لگاؤ کو سمجھتی تھیں۔ لہذا انہیں اس کی روزانہ آمد پر کبھی اعتراض نہ ہوا۔ یونہی دن گزرتے رہے اور سالار یونیورسٹی سے بھی فری ہو گیا۔ تعلیم کا سلسلہ مکمل کرتے ہی اس نے اپنے پیارے فرم کو جوائن کر لیا تھا جواب مختصر سے عرصے میں ہی مارکیٹ میں اپنی علیحدہ پہچان بنا چکی تھی۔ سالار کو ایک طرح سے جمائیا بزنس ملا تھا۔ جس میں اسجد صاحب کی مدد کے ساتھ ساتھ عنایت اللہ صاحب بھی اس کی مدد کرتے تھے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہتی تھی وہ چونکہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے گریڈ پاس سے بے حد کلوز رہا تھا تو اب مسز رحیم کے چلے جانے کے بعد پھر سے ان کے قریب آ گیا۔

اربہ لن دنوں نئی نئی یونیورسٹی میں داخل ہوئی تھی۔ تاہم اسے بزنس لائن میں آنے کا بے حد جنون تھا۔ اور اس بات کا اظہار اس نے سالار سے بھی کیا جس نے شروع میں تو اس کی مخالفت کی۔ تاہم بعد میں اپنے پیارے اور دادا کی خصوصی سفارش پر اسے یونیورسٹی ٹائم کے بعد اپنا آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی۔

اربہ کو ابھی اس کا آفس جوائن کیے کچھ ہی ہفتے ہوئے تھے کہ اس نے اپنے لیے ایک نہایت خوب صورت طرح دار سی لڑکی بطور سٹل سیکریٹری لپائنٹ کر لی۔ اربہ کو اس بات کا پتا چلا تو وہ بے حد غصے کی حالت میں اس کے گھر چلی آئی، کیونکہ آج کل اس

کے امتحانات چل رہے تھے جس کی وجہ سے وہ آفس نہیں جلا رہی تھی۔

گھر پر گریڈ پانے اس کا استقبال کیا تھا جو پودوں کے ساتھ لگے ان کی کاٹ چھانٹ کر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر تھوڑی ہی دیر میں جب ان کے ایک دوست ان سے ملنے چلے آئے تو وہ اٹھ کر اندر سالار کے کمرے کی جانب چلی آئی۔ جو ابھی ابھی شاور لے کر نکلا تھا۔ اربہ کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

”بے نصیب۔ آج لوگ خود چل کر ہمارے غریب خانے تک آ گئے۔“

”سٹ اپ۔ اور یہ بتاؤ کیا تم نے کسی لڑکی کو بطور سٹل سیکریٹری لپائنٹ کیا ہے۔“ سالار کی مسکراہٹ بھی اس وقت اسے سخت زہر لگ رہی تھی۔ مگر اس نے نوٹس نہیں لیا۔

”آتے ہی گولہ باری شروع۔ خیر ہے نا۔ کہیں مرچیں چبا کر تو نہیں آئیں؟“ وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔ اربہ کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

”سالار میں جو بکواس کر رہی ہوں اس کا جواب دو۔“ وہ چلائی تھی۔ سالار کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

”اوکے“ اتنا پی ہوئی کیوں ہو، بیٹھو آرام سے پھر بتانا ہوں۔“ وہ اس کے قریب آیا تھا۔ اربہ نے تنفر سے اس کا بدنہا ہوا ہاتھ جھٹک دیا۔

”ہاں۔ میں نے ایک لڑکی کو بطور سیکریٹری لپائنٹ کیا ہے۔ بے چاری غریب اور ضرورت مند تھی تو میں نے۔“

”تو تم نے آسرا دے دیا سارے ملک کے غریبوں اور ضرورت مندوں کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے نا تم نے؟“ اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ پھر چلائی تھی۔ سالار لا پرواہی سے مسکرا دیا۔

”جب میں بطور سیکریٹری تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں تو تمہیں کیا ضرورت ہے کسی ایری غیر، تھو خیری کو لپائنٹ کرنے کی، فوراً“ اہکسکیوز کر داسے۔“

”پاکلی ہو گئی، ہوسہل چل گیا ہے تمہارا خود کو اس کے ساتھ کمپیوٹر مت کرو اور ویسے بھی یہ تمہارا ہیڈک نہیں ہے کہ میں کس کو رکھتا ہوں، کیوں رکھتا ہوں، میرا بزنس ہے اور مجھے پتا ہے کہ اسے کیسے آگے لے کر جانا ہے۔“

”یعنی۔ تم کہنا چاہتے ہو کہ میرا ساتھ تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔“ اسے دکھ ہوا تھا شدید دکھ مگر سالار اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، وہ اب آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بال سنوار رہا تھا۔

”یہ میں نے کب کہا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تم بزنس لائن سے دور رہو۔ تمہیں اس دنیا کے اتار چڑھاؤ کا پتا نہیں ہے۔ شوق اپنی جگہ مگر تجربہ اور مہارت کی اپنی الگ اہمیت ہوتی ہے جس لڑکی کو میں نے لپائنٹ کیا ہے اسے بزنس کی دنیا کے سارے داؤ بیچ آتے ہیں میری کمپنی کو اپنی ذہانت اور محنت سے جانے کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے وہ تم ابھی ملی ہی کہاں ہو اس سے۔“ جانے کس لڑکی کو لپائنٹ کیا تھا اس نے کہ جس کی تعریف میں وہ یوں رطب اللسان ہو رہا تھا۔ اربہ کے اندر محض چند لمحوں میں بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

”اس اوکے اگر وہ اتنی ہی قابل ہے تو پھر میری کیا ضرورت ہے تمہیں اسی سے فائدہ اٹھاؤ۔“

”وہ تو اٹھا ہی رہا ہوں، تمہیں اتنی جیلسی کیوں ہو رہی ہے؟“ اس کے آنسو پینے پر وہ پھر لا پرواہی سے مسکرایا تھا، جیسے اسے اس کے ہرٹ ہونے سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو، اربہ کا دل بجھ کر رہ گیا۔

”مجھے کوئی جیلسی نہیں ہو رہی نہ ہی مجھے اس بات سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو، کیا نہیں، میں بس اتنی سی ریکویسٹ کروں گی کہ آج کے بعد مجھ پر حکم۔“ جمانے کے خواب دیکھنا چھوڑ دینا، کیونکہ میں تمہاری رعایا نہیں ہوں، سمجھتے تھے، قطعی بے گانے لہجے میں کہتی وہ اسے حیران کر گئی تھی اور پھر یہیں سے ان دنوں کے بیچ فاصلوں کی دیوار اٹھنا شروع ہو گئی تھی۔

کبھی بارش برستی ہے تو مجھ کو یاد آتا ہے وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا

محبت ایک بارش ہے

بھی بر جو برستی ہے

مگر پھر بھی نہیں ہوتی یہ سب کے واسطے یکساں کسی کے واسطے راحت کسی کے واسطے زحمت

میں اکثر سوچتی ہوں اب

وہ مجھ سے ٹھیک کہتا تھا

محبت ایک بارش ہے

بھی بر جو برستی ہے

کبھی مجھ پر بھی برستی تھی

مگر میرے لیے بارش کبھی نہیں سکی راحت

یہ راحت کیوں نہیں بنتی۔

کبھی میں خود سے پوچھوں تو یہ دل دیتا رہا ہے

کبھی کچھ مکانات کو بھی بارش راس آتی ہے؟

وہ گہری نیند سے جاگی تھی اور وجہ باہر دروازے پر

ہونے والی ٹپل تھی۔ کھڑکی سے اس بار بار روڈ پر تیز

بارش ہو رہی تھی۔ وہ ریمیں ہل سمیٹتی جلدی سے

انٹھی اور دروازے پر چلی آئی۔

”اسلام علیکم میٹم۔ یہ پھول آپ کے لیے یہاں

سائن کر دیتے ہیں۔“ جونہی اس نے دروازہ کھولا

کوریر سروس کے نمائندے سے ٹکراؤ ہوا۔ پہلے تو وہ

سوچ میں ڈوب گئی کہ اتنی صبح پھول کون بھیج سکتا ہے

پھر اچانک اس کے ذہن میں کلک ہوا کہ آج تو اس کی

سالگرہ کا دن تھا اور یہ خیال آتے ہی بے ساختہ اس

کے دل نے ایک ہیٹ مس کی تھی۔ آج کے دن اتنی

صبح پھول بھیجنے والا۔ بے شک سالار کے علاوہ اور کوئی

نہیں ہو سکتا تھا۔

جلدی جلدی سائن کر کے دروازہ بند کرتی وہ پھول

انے کمرے میں ہی لے آئی تھی، فل تھا کہ خوشی سے

دھڑکتا جا رہا تھا، کپکپاتی انگلیوں سے پھولوں کو بوسہ

دے کر ان کی معطر خوشبو اپنے اندر اتارنے کے بعد

اس نے جلدی سے کارڈ کھولا تھا، مگر کارڈ لو پھول سالار کی طرف سے نہیں تھے۔ اس کے یقین کو شاہ روز آندی کاٹم کارڈ پر پڑھ کر شدید دھچکا لگا تھا۔

یہ پہلی سالگرہ تھی اس کی جو اسے سب سے پہلے سالار آندی نے خوش نہیں کی تھی۔ وہ روئی تھی اور جی بھر کر روئی تھی رات گئے تک لاشعوری طور پر اسے سالار کی کل یا آمد کا انتظار رہا تھا، مگر رات گئے تک نہ تو اس نے کال کی نہ ہی وہ خود آیا، اپنی ضد اور غصہ اسے طعنے کی زندگی کے اتنے بڑے دن سے بھی پیارا تھا۔ عنایت اللہ صاحب اور مسز رحیم نے ضرور اپنے طنز پر اسے خوش کرنے کی کوشش کی، مگر وہ چاہنے کے باوجود اندر سے خوش نہ ہو سکی تھی۔

اگلے روز آفس جانے پر اسے پتا لگا تھا کہ سالار شیرازی نے اتنا بڑا کنٹریکٹ ہارنے کے باوجود اپنی سیکرٹری کے اعزاز میں اس کی سالگرہ پر ایک شاندار پارٹی رکھی تھی جس میں صرف آفس کے لوگ ہی مدعو تھے۔ اریبہ نے اپنی بیسٹ فرینڈ سے بظاہر سرسری لمحے میں آئی ڈونٹ کیئر کہہ کر اس بات سے اپنی لاتعلقی ظاہر کر دی تھی، مگر اپنے روم میں آکر وہ پھر بے تحاشا روئی تھی۔ کیا اتنی ہی غیر اہم تھی وہ اس کے لیے کہ وہ اسے انور کر کے اپنی سیکرٹری کو خوشیلا بناتا پھرتا؟ شاہ روز کے علم میں بھی یہ بات آئی تھی اور وہ ہنساتا تھا۔

اگلے روز اس کے اور سالار کے مشترکہ دوست احمد حسن کی طرف سے پارٹی تھی جو اس نے اپنا پہلا بیٹا ہونے کی خوشی میں دی تھی۔ اریبہ جانتی تھی کہ سالار اس پارٹی میں آئے گا۔ لہذا جب شاہ روز نے اسے اس پارٹی کی انویٹیشن کا بتایا تو اس نے فوراً "معذرت کر لی۔"

"نہیں سر۔ سوری میں نہیں جاسکوں گی؟"

"وجہ؟"

"کوئی وجہ نہیں، بس گھر سے پر مشن نہیں ملے گی۔"

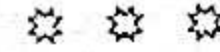
"وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ اجازت میں خود لے"

لوں گا، مگر آپ کو اس پارٹی میں میرے ساتھ چلنا ہے، اوسکے "شاہ روز بھی انتہائی درجے کا ضدی تھا، وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"سالار کی وجہ سے انکار کر رہی ہوں؟ فوراً ہی وہ اس کا دوست بھی بن جاتا تھا۔ اریبہ اس کے اس قدر درست قیاس پر حیران رہ گئی۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر چلو نایار، پلیز۔ صوفیہ (اس کی بیوی) یہاں ہوتی تو اسے ساتھ لے جاتا اب وہ نہیں ہے تو تمہیں ساتھ چلنا پڑے گا، بس۔" وہ حشی فیصلہ کر چکا تھا اریبہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔



دل کے قطعی نہ چاہنے کے باوجود جس وقت وہ شاہ روز کے ساتھ اس کے دوست کی طرف سے پارٹی کی تقریب میں پہنچی، تقریباً "بھی مہمان آچکے تھے۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ سالار شیرازی بھی وہیں موجود تھا۔ شاہ روز کے ساتھ اریبہ پر نگاہ پڑتے ہی اس کی کشادہ پیشانی پر پھر شکنیں پڑ گئیں تھیں۔ مگر اریبہ نے پروا نہیں کی۔ اس کا دل اس کی طرف سے اچھا خاصا بھرا ہوا تھا۔

احمد حسن اور اس کی فیملی اریبہ کی زبان اور حسن کی تعریف کر رہے تھے، جب وہ انکساری سے ان کا شکریہ ادا کرتی، ان کے پیچ سے نکل آئی تھی، کیونکہ سالار کا چہرہ جیسے آگ بنا ہوا تھا اس وقت۔ وہ ابھی سائیڈ پر آکر بیٹھی ہی تھی جب وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"بس۔ یہ ہی اوقات اور مقام تھا تمہارا، لوگوں کی نظر میں رہنا اور محفلوں کی زینت بننا، بہت واہ واہ مطلوب ہے تمہیں اپنی ہے نا۔" انکارے چپا تا وہ جیسے اسے سالم نگل لینے کے درپے تھا۔ اریبہ کے سر سے لگی پاؤں پر بجھی۔

"جسٹ شٹ اپ سالار۔ اپنی حد میں رہو۔"

"اپنی حد میں ہی ہوں۔ حد سے باہر ہوتا تو ہاتھ پاؤں

دوڑ کر لڑکھ دیتا تمہارے۔" وہ اس سے اتنا خفا کیوں تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی۔ مگر جان کر بھی انجان بننے والا معاملہ تھا۔ اسی بل شاہ روز ان کی طرف چلا آیا۔

"اریبہ۔ تم یہاں بیٹھی ہو اور میں وہاں بھا بھی سے بوجھ رہا تھا تمہارا۔ چلو آؤ کھانا لگ گیا ہے، پھر کھانے کے بعد۔" راگ رنگ کی محفل ہوگی۔" انتہائی خوش گوار موز میں سالار کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہ اریبہ سے کہہ رہا تھا اور سالار کا بس نہ چلتا تھا کہ اس کا گریبان پکڑ کر اسے جان سے مار ڈالے۔

اریبہ اس کے حکم پر فوراً "سر ملاتی کھڑی ہوئی تھی۔ جس پر وہ جل کر راکھ ہوتا فوراً "احمد حسن کی طرف بڑھ آیا تھا۔

"احمد میں ذرا آفس جا رہا ہوں یار۔ ابھی کال آئی ہے، مجھے ایمر جنسی پہنچنا ہے۔" اپنے تاثرات چھپانا بہت اچھی طرح سے آتا تھا اسے۔ تاہم شاہ روز پھر بھی مسکرایا تھا۔ جبکہ اریبہ کو لگا جیسے ایک دم سے ہی ساری محفل کا حسن ماند پڑ گیا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد کھانے کے چند تھپے زہر مار کر کے وہ بھی سرور کا مہمان بناتی وہاں سے چلی آئی تھی۔ تھکے نوٹے وجود کے ساتھ جس وقت وہ مسز رحیم اور گرینڈا کو اللہ حافظ کہہ کر اپنے بستر پر آئی اسے لگا جیسے اس کے وجود کا ایک ایک عضو زخمی ہو۔

یہ کیا ہو رہا تھا ان دونوں کے پیچ اور کیوں ہو رہا تھا؟ وہ جتنا اس سوال کو سوچتی تھی اتنی جاتی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا جن دنوں اس کے والد کی ڈینٹھ ہوئی تھی، ان دنوں اس کے دوھیال والوں نے اس کی ماں کا جینا حرام کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ خالص اس کے والد کی پسند تھیں۔ چند دن مزید گزرے تو ان لوگوں نے بتا ان کی عدت کی پروا کیے انہیں اریبہ کے ساتھ دھکے دے کر خود ان ہی کے گھر سے نکال دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہہ جس کے ساتھ وہ اس گھر میں آئی تھیں جب وہی نہیں رہا تو اس کے گھر پر بھی ان کا کوئی حق نہیں۔ اریبہ کا بھائی ان دنوں تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا اور اسے رحیم صاحب کی ڈینٹھ پر کوشش کے باوجود ٹکٹ نہیں

مل سکا تھا۔ کچھ اس کے امتحانات 6 ویں مسند تھا۔ بہر حال مسز رحیم اریبہ کو لے کر ایک مرتبہ پھر اپنے میکے کی دہلیز پر آڑی تھیں اور اس موقع پر سالار نے جیسے ان دونوں کا دکھ بانٹا تھا وہ ان دونوں کو چاہے کبھی بھلا نہیں سکتی تھی۔

اس کے والد کی ڈینٹھ کے کچھ ہی ماہ بعد اسجد صاحب بارٹ انیک کا شکار ہو کر بالکل اچانک دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ سالار کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ مگر وہ ٹوٹ کر نہیں بکھرا۔ اپنے تمام آنسو اس نے اپنے کمرے کی تنہائیوں میں بہائے تھے۔ صرف ایک دفعہ وہ بے خود ہوا تھا اور اریبہ کے تسلی دینے پر اس کے گلے لگ کر رو رہا تھا۔ اسے اس کا وہ رونا بھی یاد تھا۔

پھر جن دنوں ان دونوں کے بیچ اختلاف پیدا ہوا، اریبہ کو پوری امید تھی کہ وہ اپس کیوز کرے گا۔ مگر اس نے نہیں کیا۔ اریبہ کے شکوے کے بعد وہ یوں لا تعلق ہو گیا تھا جیسے اس کا اریبہ سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ اس کے اسی رویے کی وجہ سے اس نے ہرٹ ہو کر شاہ روز کی کمپنی جو ان کی تھی۔ وہ اسے کچھ کر کے دکھانا چاہتی تھی۔ اس کی نظر میں اپنی اہمیت واضح کرنا چاہتی تھی، مگر اس کی کوشش میں بھی وہ اس سے مزید دور ہوتا جا رہا تھا۔

اور اب۔ جبکہ اس کے بھائی نے باہر ہی شادی کر کے ان دونوں ماں، بیٹی سے اپنا تعلق ہی توڑ لیا تھا تو اس کے لیے اور اس کی ماما کے لیے اپنا بھرم رکھنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ گرینڈا اور سالار کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ اپنا بھرم رکھنے کے چکر میں وہ دونوں ماں، بیٹی کس عذاب کے عالم سے گزر رہی تھیں۔ یہ سالار کا رویہ ہی تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی ماں کو مجبور کر کے اپنی قسم دے کر اس کے گھر سے نکال لائی تھی اور اب اتنے ماہ کے بعد انہیں اس گھر میں رہنا نصیب ہوا تھا جو اس کے پاپا اپنی زندگی میں ہی اس کے نام کر گئے تھے۔ مگر تنہائی کے احساس نے مسز رحیم کو کبھی اس گھر میں رہائش اختیار کرنے کے بارے میں نہیں سوچنے دیا تھا۔

اس روز سالار گرینڈپا کو لینے کے لیے آیا تھا۔ اسی دن وہیں ان کے پاس بیٹھی بہت دلچسپی سے ان سے گزر رہے ہوئے وقتوں کے قصے سن رہی تھی جب وہ دبے پاؤں چلتا ان کے سر پر آکھڑا ہوا۔

”السلام علیکم۔“ چہرے پر بارہ بجائے اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔ مسز رحیم فوراً اس کا منہ چومنے کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”وعلیکم السلام۔ کتنی لمبی عمر ہے میرے بیٹے کی“ ابھی میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔

”خیریت۔“ سرسری سی ایک نظر اس پر اور گرینڈپا پر ڈال کر وہ ان کے پہلو میں ہی ٹک گیا تھا۔

”ہاں خیریت ہی ہے۔ اتنے دن سے چکر ہی نہیں لگایا تم نے۔“

”بس پھوپھو بہت مصروف تھا۔ آج بھی نیند کی قربانی دے کر ادھر آیا ہوں۔“

”پچلو مہربانی تمہاری۔ میں اور بابا سوچ رہے تھے کہ اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے، تاکہ ہوشیاری میں آئے تو تمہاری ذمہ داریاں بھی کم ہو جائیں اور تنہائی کا احساس بھی نہ رہے، بے کوئی لڑکی نظر میں تو بتا دو، نہیں تو پھر ہماری پسند کو قبول کرنا ہو گا، چاہے جیسی بھی ہو۔“ اس کے لہجے کی بے زاری کو محسوس کے بغیر وہ مسکرا رہی تھیں۔ اسی دن اپنی سادہ لوح ماں کو دیکھ کر وہ مرنے لگی۔

”ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے پھوپھو۔ جب ہوگی تو آپ کو بتا دوں گا، فی الحال مجھے جلدی ہے، سواری زیادہ دیر رگ نہیں سکوں گا، گرینڈپا کی طبیعت اب ٹھیک ہے نا۔“

”ہوں۔“

”تو پھر چلے گرینڈپا۔ میں بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں آپ کے بغیر۔“ بے گامگی کی انتہا کو چھو تا وہ مسز رحیم کے ساتھ ساتھ گرینڈپا کو بھی حیران کر رہا تھا۔ جب وہ بولے۔

”سالار! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹے۔“

”جی۔۔۔ مجھے کیا ہوتا ہے۔“ پھٹکی سی مسکان لبوں پر پھیلاتے ہوئے اس نے ہاتھ ڈریس پینٹ کی پانکھوں میں گھسائے تھے۔

”انتار ف رف ساحلیہ ہو رہا ہے، اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے۔“ اس بار مسز رحیم نے پھر محبت جتائی تھی مگر اس نے پھر انہیں مایوس کیا۔

”رکھتا تو ہوں پھوپھو اور کیسے خیال رکھتے ہیں؟“

”تمہیں دیکھ کر لگتا تو نہیں ہے کہ اپنا خیال رکھتے ہو۔“

وہ اکتڑ رہا تھا اور مسز رحیم بھتیجے کی محبت میں پیچھی جا رہی تھیں۔ اسی دن سے مزید برداشت نہ ہو سکا تو وہ گرینڈپا سے گلے مل کر انہیں پار کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سالار اس کی اس حرکت پر بھی لب بلیج کر رہ گیا تھا۔

اس روز گرینڈپا نے بطور خاص فون کر کے اسے بلایا تھا۔ سنڈے کی چھٹی کے باعث وہ صبح ہی مسز رحیم کو بتا کر گرینڈپا کی طرف آگئی تھی جولان میں بیٹھے شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

”السلام علیکم، آگئی میری بیٹی؟“

”جی آگئی۔ آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ گھاس پر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے بازو گرینڈپا کی گود میں رکھ دیے۔ یہ بھی اس کا لاڈلہ جملے کا ایک انداز تھا۔ عنایت اللہ صاحب اس کی محبت پر خوش ہوئے تھے۔

”جیتتی رہ میری بیٹی، اللہ نصیب اچھا کرے۔“

”آمین۔ فرمائیے کیسے یاد کیا؟“ آج اس کا موڈ قدرے خوش گوار تھا، جب وہ بولے۔

”اتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے، تیری آواز نہیں سنی تو دل اداس ہو رہا تھا، کتنی بار سالار سے کہا کہ تیرا نمبر ملا دے، مگر وہ سنتا ہی نہیں، جانے کیا ہو گیا ہے اسے اسی کے لیے بلوایا تھا آج تمہیں یہاں، صبح بچ جانا

بیٹی، تم دونوں کے بیچ کیا چل رہا ہے، کیوں ایک دوسرے کا نام سنتے ہی بھاگتے ہو دونوں، تم دونوں کے درمیان تو اتنا پیار تھا۔“ گرینڈپا سب جانتے ہوئے بھی انجمن بنے بیٹھتے تھے، پیچھی وہ بولی تھی۔

”میں نے آپ کو اور ماما کو بتایا تھا گرینڈپا کہ کیسے میری انسلٹ کر کے اس نے ایک پرانی لڑکی کو مجھ پر فوقیت دی۔ نا صرف یہ بلکہ اپنا قصور ہونے کے باوجود منہ بھی خود ہی پھلایا، مجھ سے اور پھر جب میں نے بھی اس کی خفگی کا کوئی نوٹس نہ لیتے ہوئے ایک دوسری جگہ جاب کر لی تو موصوف سے یہ بھی برداشت نہیں۔ وہ مجھے خوش دیکھ ہی نہیں سکتا، گرینڈپا، میری ملا جلتیں، میری ذہانت، میری کارکردگی، اسے اپنے منہ پر طمانچے کی طرح لگتی ہے، وہ پڑھا لکھا جاہل ہے، اس کی خواہش ہے میں گھر کی چار دیواری میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں۔“ کب تک جتنا غبار سالار کے لیے اس کے دل میں جمع تھا سب نکال پھینکا تھا اس نے۔

گرینڈپا اس کی بات سن کر مسکرائے تھے۔

”وہ لگتا ہے بیٹی، مگر کم ہے وقف تم بھی نہیں ہو، مختلف لوگوں کا محبت کرنے کا انداز مختلف ہوتا ہے، سالار اس سلسلے میں بالکل تمہاری ثانی ماں پر گیا ہے، اس بہشتی کو بھی گوارہ نہیں ہوتا تھا کہ میری نگاہ اس کے سوا کسی دوسری عورت کی طرف اٹھے، ذرا گھر واپسی میں تاخیر ہو جاتی تو وہ آڑے ہاتھوں لیتی تھی۔ میں مرد ہو کر اس سے ڈرتا تھا، بلکہ اس سے نہیں اس کی محبت کی شدت سے ڈرتا تھا، پتا ہے بیٹی، یہ ایسے جو شدت پسند لوگ ہوتے ہیں نا بڑی ہی خالص محبت ہوتی ہے ان کی، اور بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں، جن کو محبت نصیب ہوتی ہے۔“ کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہتے گرینڈپا اسے کسی اور ہی دنیا میں پہنچے محسوس ہو رہے تھے۔

”آپ ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتے ہیں گرینڈپا۔ اسی لیے وہ من مانی کرتا ہے، کبھی اسے بھی سمجھایا کریں نا کہ وہ سروں کو ہر شے نہ کرے۔“

”ٹھیک ہے سمجھاؤں گا ابھی وہ نہیں ہے تو ذرا

ایک نظر اس کے کمرے پر ڈال کر، بہت بے ترتیب ہو رہا ہے، ملازمہ کو گھسنے نہیں دتا اور خود صفائی کی تو فریق نہیں ہے اسے۔“ وہ اٹھ کر اپنے دوست کی طرف جا رہے تھے، کبھی اسے ہدایت کی تو وہ ان کے حکم پر دھیرے سے اثبات میں سر ہلاتی سالار کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ جس کا حال واقعی اس وقت خاصا اہتر ہو رہا تھا۔

شدید تھکن کے باوجود ایک عرصے کے بعد اس نے اپنے محبوب کے کمرے کی صفائی دل لگا کر کی تھی۔ گرینڈپا نے صبح کہا تھا، وہ اپنے لیے حد سے زیادہ لاپرواہ ہو چکا تھا۔ یہ نہ کہ اب اس کی الداری کا کوئی حال تھا نہ کپڑوں کی، بستر کی چادر الگ گندی ہو رہی تھی۔ استعمال شدہ کپڑوں کا ڈھیر لگا تھا اور کہیں کی چیز کہیں مل رہی تھی۔ وہ صفائی میں لگی تو پھر اسے اپنی تھکن اور بھوک کا بھی احساس نہ رہا۔

سالار نے آفس سے واپسی کے بعد گاڑی گیراج میں پارک کی، تو چونکدار کی معرفت اسے گرینڈپا کے اپنے دوست کی طرف جانے کا پیغام مل گیا، کبھی اثبات میں سر ہلاتا وہ پہلے کچن میں آیا، فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر پانی پیا، پھر کوٹ اتار کر وہیں ہل کرے کے صوفے پر پھینکا، پینٹ سے بیلٹ کھینچ کر بھی اسی صوفے پر پڑ گیا۔ پھر وہیں بیٹھ کر پاؤں جوتے اور جرابوں کی قید سے آزاد کیے اور ابھی وہ شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا کہ اسے اوپر اپنے کمرے میں ہلکی سی کھٹ پٹ سنائی دی۔ کبھی حیران ہوتا وہ سیر ڈھیوں کی جانب بڑھتا تھا اور پھر جیسے ہی اس نے قدم اپنے کمرے کی دہلیز پر رکھے، اسی دن کو اپنی وارڈروب کے سامنے کھڑے دیکھ کر وہیں رک گیا۔

وہ اس کے استعمال شدہ کپڑے علیحدہ کیے، صاف کپڑوں کو بریس کرنے کے بعد اب ہینگ کر رہی تھی، جگمگ کر آکر ایک بل میں اسے جتا گیا تھا کہ اسے کسی عورت کے ہنرمند ہاتھ لگے ہیں۔

اسی دن کو اس کی آمد کا احساس نہیں ہو سکا تھا تاہم وہ ضرور غصے ہوتے ہوئے اس کی طرف بڑھتا تھا۔

”تم یہاں میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو۔“
”صفائی۔“ چونک کر اس کی طرف نگاہ کرتے ہوئے وہ کوئی دل جلا سا جواب دیتے دیتے رک گئی تھی مگر پر بھی وہ ہاڑا تھا۔
”کیوں کس کی اجازت سے یہاں قدم رکھا تم نے۔“

”گرینڈ باکی اجازت ہے۔“ اسے تپانے کو اس نے چہرے پر معصومیت پھیلانی تھی اور وہ واقعی تپا تھا۔
”کمرہ میرا ہے یا گرینڈ باک۔“
”تمہارا۔“

”پھو۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی میری عدم موجودگی میں یہاں پاؤں دھرنے کی؟
”پتا نہیں بس ہو گئی۔ فیکسٹ ٹائم غور کر کے بتاؤں گی۔“

”شٹ اپ۔“ نکلویہاں سے۔“ اس کے غیر سنجیدہ انداز پر وہ مزید کباب ہو گیا۔ اریبہ اپنی مسکراہٹ بمشکل ضبط کر پائی۔
”ہمت ہے تو ہاتھ پکڑ کر نکل دو ورنہ میں تو اپنا کام مکمل کر کے ہی جاؤں گی یہاں سے۔“ پہلی بار سالار کا غصہ اسے لطف دے رہا تھا۔ وہ بے بسی سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

”بھانڈ میں جاؤ تم۔ تمہارا ہاتھ پکڑنے سے بہتر ہے میں بجلی کے تار کو ہاتھ لگاؤں۔“ وہ ہنسی تھی اور سالار سخت آف موڈ کے ساتھ دھب دھب کرتا سیڑھیاں اتر آیا۔ وہ اس وقت اتنا تھکا ہوا تھا کہ فرار کی صورت میں کہیں جانے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی، تبھی نیچے ہال کمرے میں ہی صوفے پر ڈھکے گیا تھا۔
”سالار چائے۔“ ابھی اس کا غصہ کم بھی نہ ہوا تھا کہ وہ مزید دل جلانے کو پھر سر پر سوار ہو گئی۔ اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے سرخ آنکھوں سے گھورا تھا جب وہ مطلق پروانہ کرتے ہوئے بولی۔

”پلیز۔ اب یہ مت کہہ دینا کہ تمہارے ہاتھ کی چائے پینے سے بہتر ہے میں زہری لوں وہ کیا ہے کہ زہر اس وقت گھر میں دستیاب نہیں ہے۔“

”شٹ اپ۔“
”اوکے“ چلو نہیں بولتی، سر تو دیا سکتی ہوں۔“ ہزاروں شکایتوں اور رجسٹریشن کے باوجود ایک عرصے کے بعد وہ اپنے پرانے روپ میں واپس لوٹی تھی۔ مگر سالار نے درمیان میں حائل فاصلوں کی دیوار گرنے نہیں دی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔“
”صوبچ لو“ چھ ماہ پہلے بھی تم نے یہ ہی کہا تھا اور دیکھ لو آج صرف میری وجہ سے کوئی اور کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے جبکہ تمہاری وہ حسین عیلم پری جو تمہارے بقیات بزنس کے بہت سے دواؤں پہنچ جاتی ہے، اپنی قابل اداؤں اور تمام تر مہارت و تجربے کے باوجود کتنا نیچے لے آئی ہے تمہیں۔“

”چٹل خ۔“ سچ کڑوا ہوتا ہے اور سالار کو بھی اس لمحے اریبہ کا یہ سچ بے حد کڑوا لگا تھا۔ وہ اس کے پھپھری شہت پر گل پر ہاتھ رکھے بمشکل خود کو لڑکھانے سے بچا پائی تھی، جب وہ اپنی آنکھوں کے گوشوں کی نمی چھپاتے ہوئے کرختی سے بولا۔
”تمہیں بدگمانیوں کی وہند کی زد میں آیا“ وہ شخص اسے سمجھنے کی پوزیشن میں تھا ہی نہیں، اریبہ اس وقت روتے ہوئے وہاں سے بھاگی تھی اور سالار ساری رات جاگ کر کروٹ پہ کروٹ بدلتا رہا تھا۔

”یہ سالار کو کیا ہوا ہے۔ پہلے اریبہ سے بات چیت ختم کی پھر اسے نوکری سے بھی نکال دیا۔ اب گھر آتا ہے تو مجھ سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتا کیا اس کا لچھی اسٹیٹس ہماری اوقات سے بڑھ گیا ہے۔“ اس روز مسز جیم اریبہ کو لے کر سالار کی طرف آئی تھیں مگر وہ گھر پر نہیں تھا۔

عنایت اللہ صاحب اپنی لاڈلی بیٹی کی بات سن کر جی بھر کر شرمندہ ہوئے۔ سالار کی بدتمیزیاں اور بدلاؤ وہ خود بھی محسوس کر رہے تھے کچھلے کئی دنوں سے، مگر ابھی تک اس سے استفسار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ

گھر پر نکلتی بہت کم تھا۔ تبھی وہ شرمندہ سے لہجے میں بولے تھے۔

”نہیں بانو ایسی کوئی بات نہیں، بس تمہارے رہ کر تھوڑا چیز چڑا ہو گیا ہے، پھر کاروبار بھی اچھی طرح سے سنبھل نہیں رہا۔ اسی لیے موڈ خراب رہتا ہے۔ آج آتا ہے تو میں نکلاں لیتا ہوں اس کی۔“ گرینڈ باسٹر سال کی عمر میں بھی صحت مند تو لانا دیکھتے تھے اور وجہ اللہ کی ذات سے قربت و اچھی خوراک تھی۔ مسز جیم ابھی کچھ کمنا ہی چاہتی تھیں کہ اسی وقت وہ گھر آگیا۔ نگاہ جیسے ہی ہال کمرے میں — بیٹھے ان سب لوگوں پر پڑی اس کے قدموں کی رفتار سست ہو گئی۔
”السلام علیکم پھوپھو۔“ تھکے تھکے سے وجود کو گھسیٹا وہ ان کے قریب آیا تھا، مگر پہلی بار انہوں نے اٹھ کر اس کا منہ نہیں چوما۔
”وعلیکم السلام۔“

”پیار کون کرے گا؟“ ان کی خفگی محسوس کرتے ہوئے وہ صوفے پر ان کے ساتھ ہی چپک کر بیٹھ گیا تو وہ کبھی بغیر نہ رہ سکا۔
”میں اس قابل کہاں ہوں کہ تمہیں پیار کروں، تم کروڑوں کی جائیداد کے تناو وارث اور میں ایک غریب ہوں۔“

”پھوپھو۔“ ان کے الفاظ پر سالار کو جیسے گہرا شاک پہنچا تھا۔

”آپ کو پتا ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ اسے جیسے یقین ہی نہیں تھا کہ وہ ایسا بھی کہہ سکتی ہیں۔ مسز جیم کو بھی کہنے کے بعد اپنے الفاظ کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ ابھی وہ چپ رہیں — سالار صوفے سے اٹھ کر نیچے قالین پر ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔

”آپ کو پتا ہے پھوپھو میں نے آپ کو ہمیشہ اپنی ماں سمجھا ہے اور بچہ چاہے آسمان کی کڑیوں کو ہاتھ بھی لگا آئے تو ماں کے لیے وہ بچہ ہی رہتا ہے، وہ پنجابی شعر نہیں سنا آپ نے کہ۔“

عمر پتر ہوئے پاویں زمانے دا ولی
نہیں ماں دے پیراں دی خاک ورگا

”پھر آپ نے اتنی بڑی بات کیسے کہی؟“ وہ اتنا ہرٹ ہو گا مسز جیم کو اندازہ نہیں تھا۔ تبھی وہ اس کا منہ چومتی ہوئی بولی تھیں۔

”تم نے خود یہ سب کہنے کا موقع دیا ہے مجھ سے نہ گھر آتے ہو نہ سیدھے منہ بات کرتے ہو یہ سب کیا ہے؟“

”ایم سوری پھوپھو۔“ وہ اس وقت انہیں تفصیلی جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ لہذا سران کی گود میں رکھتے ہوئے یہ ہی کہہ سکا اور اریبہ جو اس کی نکلاں لگتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی، اس امن و امان پر بے مزا ہوتی ان سے کہہ بیٹھی۔

”گھر چلیں ماما۔ ٹائم کافی ہو گیا ہے۔“
”ہاں۔ اباجی سے باتوں میں لگ کر مجھے تو وقت کا خیال ہی نہیں رہا، چلو۔“

”پھوپھو“ آج بیس رک جائیں پلیز۔“ مسز جیم کی تائید پر ان کی گود سے سرائٹھاتے ہوئے فوراً اس نے گزارش کی تھی۔ جب اریبہ بولی۔

”نہیں ماما، کل میری بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے، مجھے اس کی تیاری کرنی ہے، پلیز گھر چلیں۔“

”آپ کی امپورٹنٹ میٹنگ ہے تو آپ گھر جائیں، پھوپھو آج بیس رہیں گی۔“ پتا اس کی طرف دیکھے وہ غصے میں آیا تھا، جب وہ پاؤں پٹختے ہوئے بولی۔

”ماما آپ چل رہی ہیں کہ نہیں؟“

”نہیں میں اپنے نیچے کا دل نہیں توڑ سکتی، تم بھی بیٹھ جاؤ آرام سے۔“

”ہرگز نہیں، میں جاری ہوں تمنا گھر۔“ ضد تو اس میں بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، سالار نے لاہروائی سے کندھے اڑکا دیے۔ وہ رو دینے کو تھی جب گرینڈ با اٹھے تھے اور بڑی مشکل سے اسے مناکرا اپنے کمرے میں لے گئے، جبکہ سالار اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اسی طرح مسز جیم کی آغوش میں منہ چھپائے ان سے بار کروا رہا تھا۔

خج اس کی آنکھ کھلی تو وہ پھر جانے کو پر تول رہی تھی۔ اسے ستانے کے لیے ہی وہ بولا تھا۔

”پھر پھر میں آؤں سے آکر آپ کو گھر چھوڑنے جاؤں گا تب تک آپ کہیں نہیں جائیں گی، آپ کی بیٹی کو البتہ میں آفس جلتے ہوئے ڈراپ کر سکتا ہوں۔“

”نش اپ اس ملک میں ٹیکسی پر پابندی نہیں لگی جو میں تم جیسے شخص کا احسان لوں۔“ وہ فوراً جلی تھی اور سالار کو سکون ملا تھا۔

”تم پر احسان کرنا بھی کون چاہتا ہے، میں تو اپنی پھوپھو کے لیے کہہ رہا تھا۔“ اور وہ اس کے دو دو جواب پر غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے بنانا شتا کیے گھر سے نکل گئی جس پر گرینڈ پائے اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تھی اسے۔



میں اگر نوٹ کے بکھروں تو کوئی بات نہیں اسے خدا اس کی انا یوں ہی سلامت رکھنا سالار کی کمپنی گزرتے ہر روز کے ساتھ خسارے میں جاری تھی جس نے اس کی راتوں کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔ وہ اب بہت زیادہ اسوکنگ کے ساتھ ساتھ ”بار کلب“ بھی جانے لگا تھا۔ اربہ کو جب سے اس بات کا پتا چلا تھا وہ بے چین ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا تعلیمی سلسلہ مکمل ہو چکا تھا۔ لہذا اب وہ مکمل توجہ کے ساتھ آفس جوائن کیے ہوئے تھی۔

پچھلے دو سال میں وہ ”شاہ روز اندسٹری“ کو کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔ شاہ روز کی بیوی اس کے ماں باپ دونوں بہنیں سب اربہ کی شان میں قصیدے پڑھتے نہ تھکتے تھے۔ اربہ کی ذات سے ان کے پار میں سچائی تھی۔ لہذا اکثر آفس ٹانمنگ کے بعد وہ شاہ روز کی آفر اس کے ساتھ ہی اس کے گھر چلی آتی تھی اور پھر وقت کیسے بیت جاتا تھا اسے پتا ہی نہ چلتا تھا۔

”شاہ روز اندسٹری“ کی طرف سے اسے شان دار سیلری کے ساتھ ساتھ گاڑی بھی ملی تھی جس کے لیے وہ بے حد خوش تھی۔ مسز جیم بھی اپنی بیٹی کی قابلیت و ذہانت پر فخر کرتے نہ تھکتی تھیں۔ اس روز

اس کا موڈ شاپنگ کا ہو رہا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے کچھ ضروری چیزوں کی لسٹ بھی بنا کر اس نے بیگ میں سنبھل رکھی تھی۔ لہذا آفس ٹانمنگ کے بعد وہ گھر جانے کی بجائے سیدھی مارکیٹ چلی آئی تھی۔ ابھی اس نے چند اشیاء خریدی تھیں کہ اس کا ٹکراؤ شاہ روز آفندی سے ہو گیا جو اتفاق سے اسی شاپ پر اپنی بیوی کے لیے شاپنگ کر رہا تھا۔ اربہ کو دیکھ کر وہ فوراً اس کی طرف چلا آیا تھا۔

”اسلام علیکم مس اربہ! آپ یہاں؟“
”جی کچھ شاپنگ کرنی تھی اور آپ۔“
”میں بھی شاپنگ کے لیے ہی آیا تھا۔ مگر اپنے لیے نہیں اپنی ہوم فیسٹر کے لیے سوچ رہا تھا پتا نہیں اسے میری خریدی ہوئی چیزیں پسند بھی آتی ہیں کہ نہیں اصل میں مجھے خواتین کی شاپنگ کا کوئی اندازہ نہیں ہے، خیر اب آپ مل گئی ہیں تو یہ مسئلہ بھی حل ہوا کیا آپ میری شاپنگ میں میری ہیلپ کریں گی۔“ وہ خلوص سے کہہ رہا تھا اربہ مسکرا دی۔

”کیوں نہیں کیا خرید رہے تھے آپ؟“
”نی الحال تو ڈریس خریدنا چاہ رہا تھا۔ مگر کچھ پسند ہی نہیں آ رہا۔ آپ پسند کریں نا پلیز۔“ وہ ہمیشہ ہر بات میں اسے اہمیت دیتا تھا اور اربہ کو اس کی یہ ہی بات بہت اچھی لگتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اس کے لیے اس کے برابر میں کھڑی سوٹ پسند کر رہی تھی جب وہاں پہلے سے موجود سالار کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ اسے شاہ روز آفندی کے پہلو میں مسکراتے ہوئے خریداری کرتے دیکھ کر جیسے دھواں ہی تو ہو گیا۔ ہر بار اس کے حوالے سے جو منظر وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا وہی دیکھنے کو مل جاتا تھا۔

اپنی شاپنگ ادھوری چھوڑ کر وہ فوراً شاپ سے باہر نکلا تھا۔ جب شاہ روز نے اسے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھ لیا۔

اس کی شاپنگ بھی تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ لہذا پے منٹ کے بعد وہ اصرار کر کے اربہ کو اپنی گاڑی کی طرف لے آیا اور تقریباً پندرہ ہی منٹ کے بعد اس

نے گاڑی اس ریستورنٹ کے باہر روکی تھی جہاں ابھی ابھی سالار گاڑی پارک کر کے اندر گیا تھا۔ اربہ کو قطعی بھوک نہیں تھی اس کے باوجود وہ اس کے اصرار پر اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ شاہ روز ”کسی“ کو جیلانے کے لیے اس کا استعمال کر رہا ہے۔

وہ اس کے ساتھ بہت خوش گوار موڈ میں بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔ اس دوران بھولے سے بھی اس کی نگاہ سالار شیرازی پر نہ پڑ سکی تھی۔ جو تین دنو چائے آرڈر کر چکا تھا۔ سالار جس وقت باہر نکلا اسی وقت شاہ روز بھی کھانے کی پے منٹ کر کے اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔ وہ سالار سے پہلے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ اسی کوشش میں اُسے نکلتے ہوئے اربہ کا ہاتھ تھام کر جو نی وہ سالار کی سائیڈ سے نکلا اربہ کا کندھا سالار کے کندھے سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑائی گئی۔

”سالار۔“ ٹکراؤ کے بعد جو نی سنبھل کر اس نے سر اٹھایا سالار کو مقابلہ دیکھ کر شرمینہ ہو گئی۔ مگر وہ تو پیش سے پھٹ رہا تھا۔ بھی وایاں ہاتھ اس کے پائیں بازو میں گاڑھتے ہوئے اس نے روز سے اربہ کو اپنے راستے سے دھکیل کر ہٹا دیا۔ اربہ اس کے اس شدید رد عمل کے لیے تیار نہیں تھی۔ بھی لڑکھڑا کر اسی کی گاڑی کے شیشے سے ٹکرائی۔ جس کے نتیجے میں اس کی پیشانی پر زخم لگ گیا۔

سالار کا بس نہ چلتا تھا کہ اس وقت اسے جلن سے مار رہا تھا جبکہ شاہ روز اربہ کی پیشانی پر خون دیکھ کر شاپنگ بیگ گاڑی میں پھینکتے ہوئے بھوکے شیر کی طرح اس پر جھپٹا تھا۔ مگر اس سے قبل کہ وہ اس کا گریبان پکڑتا سالار اربہ کے چہرے پر پے در پے دو جلن دار پھپھر بھی رسید کر چکا تھا۔ اس کے چہرے پر نا صرف سالار کے ہاتھ کی انگلیاں ثبت ہو کر رہ گئی تھیں بلکہ نیلے ہونٹ کا کنارہ بھی پھٹ گیا تھا۔ کئی لوگ یہ منظر دیکھنے کو وہاں پر کے تھے۔

اربہ ششدر کھڑی تھی جبکہ شاہ روز اب سالار کا

گریبان پکڑے اس سے الجھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لگ رہے تھے۔ سالار کا جسم فولادی تھا۔ لہذا اس نے ایک مکاشاہ روز کی ناک پر رسید کیا۔ جس سے اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بھی شدید مشتعل ہو کر اس نے گاڑی سے اپنا پٹنل نکالا تھا اور اس سے پہلے کہ اربہ اسے روکتی اس نے ہزاروں افراد کی موجودگی میں سالار پر فائر کر دیا دیکھتے ہی دیکھتے گویا قیامت پھا ہو گئی تھی وہاں۔ شاہ روز کے پٹنل سے نکلی گولی سالار کے بازو کو چیرتی ہوئی نکلی تھی جس پر اربہ چیخ کر رہ گئی تھی۔ اسے شاہ روز کی ناک کی ہڈی ٹوٹنے کی تکلیف نہیں تھی صرف سالار کے بازو کے لمبو لمبن ہونے کی تکلیف تھی۔

وہ روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تھی اس کا بازو تھما تھا مگر سالار نے ایک مرتبہ پھر اسے تنفر سے پیچھے دھکیل دیا۔

گھر میں کسی کو کانوں کلن اس نے اس حادثے کی خبر نہیں ہونے دی تھی جبکہ اربہ کے لب تویوں سل گئے تھے جیسے وہ بولنا ہی بھول گئی ہو۔



شاہ روز کی ناک کی ہڈی کا آپریشن ہوا تھا اور وہ تھوڑی دیر پہلے ہی ہوش میں آیا تھا جب اربہ اس سے ملنے چلی آئی۔

”ایم سوری سو۔ میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔“ وہ سالار اور شاہ روز دونوں سے ہی شرمسار تھی مگر سالار تو اس کی شکل دیکھنے کا روادار بھی نہیں تھا۔ لہذا وہ شاہ روز سے ملنے ہی چلی آئی تھی۔ جس کے چہرے پر اس وقت بھی اس کے لیے اپنا بیت تھی۔

”نہیں اربہ۔ آپ کو سوری کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو کچھ بھی ہوا اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اصل میں میں اور سالار بہت قریبی دوست رہ چکے ہیں اسی لیے میرے ہاتھوں اسے اپنی شکست

برداشت نہیں ہوتی۔" وہ اس پر انکشاف کر رہا تھا،
جب وہ بولی۔

”وہ آپ کا قریبی دوست ہے، مگر میرا تو فرسٹ
 کزن ہے، میری محبت، میری زندگی، میری ہر خوشی
 وابستہ ہے اس سے، میں اسے تکلیف دے کر خوش
 نہیں رہ سکتی۔ وہ مجھے صرف اپنے حصار میں مقید
 دیکھنا چاہتا ہے اور یہ عادت اب کی نہیں ہے، وہ بچپن
 سے ہی اپنی چیزوں کے معاملے میں بہت پوزیو ہے وہ
 مرجائے گا، مگر کبھی اپنی غلطی کو، اپنی شکست کو تسلیم
 نہیں کرنے گا، میں جانتی ہوں اسے، بچپن سے ہی تنہا
 رہ، وہ کراس کے اندر بہت سے خلا رہ گئے ہیں۔ مجھے
 ڈر ہے اس کا ڈپریشن اسے اپنے ساتھ کچھ غلط کرنے
 پر مجبور نہ کر دے۔“ اسبہ کی آنکھیں پہلی بار شاہ روز
 کے سامنے سالار شیرازی کے لیے بھکی تھیں۔ اور وہ
 اس کے منہ سے نکلے ہر لفظ پر جیسے حیران رہ گیا تھا۔
 ”میں چلتی ہوں سر۔ مگر جانے سے پہلے یہ گزارش
 ضرور کروں گی کہ پلیز سالار سے اپنی دشمنی ختم کر لیں،
 وہ صرف دوست اچھا لگتا ہے، دشمن نہیں۔“ مکمل
 سفید کپڑوں میں ملبوس روئی روئی سی وہ لڑکی، محبت کی
 مکمل عملی تصویر لگ رہی تھی۔ شاہ روز نے اس کی
 گزارش پر، لبوں پر ہلکی سی نرم مسکراہٹ پھیلاتے
 ہوئے آہستہ سے اثبات میں سر ہلادیا۔

”تھینکس سر، تھینک یو۔۔۔“ آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔“ وہ خوش ہوئی تھی اور اسی خوشی میں واپس پلٹ گئی تھی؛ جبکہ شاہ روز آئندہ اس کے کمرے سے نکلنے تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ واقعی وہ ایک بے مثال لڑکی تھی۔

مجھ سے ہنسنے کے، مجھ کو رلا کے اور اس تھا
میری طرح وہ خود کو جلا کر اور اس تھا
ایسے عجیب درد کے پہرے تھے چار سو
اب کے وہ میرے سامنے آکر اور اس تھا

مجھ کو بھی اس کی یاد سता رہی ہے
وہ بھی دیا ر غیر میں جا کر ادا اس تھا
میرے علاوہ بھی سے کوئی اس کا شہر میں
اتنی سی بات مجھ کو بتا کر ادا اس تھا
جس روز سالار کے بازو میں گولی لگی اس نے گرینڈپا
کو فون کر کے یہ ہی کہا کہ وہ ایک ضروری میننگ کے
سلسلے میں چند روز کے لیے ملک سے باہر جا رہا ہے اور
یہی مسز خیم کو پتا تھا، مگر اسیہ جانتی تھی کہ اس نے یہ
جھوٹ اپنے گھروالوں کو ممکنہ پریشانی سے بچانے اور
معاملے کی نوعیت چھپانے کی غرض سے بولا تھا۔ لہذا
اس نے بھی کسی کو کچھ نہیں بتایا، تاہم اندر کہیں
چینی پھیل گئی تھی۔

بار بار سالہ کا خون سے بھرا بازو اس کے تصور میں آتا اور وہ آنکھیں میچ کر رہ جاتی، فضول انا کے چکر میں خود سے کتنا دور کر دیا اس شخص نے اسے وہ رو رہی تھی، مگر وہاں اسپتال میں آرام و بستر پر لیٹے اس شخص کو اس کا احساس تک نہ تھا۔

سالار کی عدم موجودگی میں اب گریخت پاس کی کمپنی کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ لہذا اربعہ روزانہ دو تین شخصوں کے لیے آفس ٹانمنگ کے دوران اور آفس ٹانمنگ کے بعد ان کے پاس چکر لگاتی تھی۔ انہیں چھوٹی چھوٹی باریکیوں سے آگاہ کرتی اور بہت کچھ جو سالار کی نگاہ سے اوچھل تھا ان کے علم میں لا کر تفصیلاً بریف کرتی۔

یہ اسی کی کوشش اور مشوروں کا نتیجہ تھا کہ گرینڈیا نے مگرئی ہوئی کمپنی کی سناٹھ کو بروقت سنبھال لیا۔ سالار ایک ہفتے کے بعد قدرے فٹ ہو کر گھر آیا تو گرینڈیا نے عشاء کی نماز پڑھ کر اسے اپنے کمرے میں ہی طلب کر لیا۔

”سالار۔“

”جی گریٹھریا۔“ صوفی پریٹ کر سران کی گود میں دھرتے ہوئے اس نے پلکیں موندی تھیں۔ صرف ایک ہفتے میں چہرے کی سرخی پیلاہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ابھی وہ بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولے

”میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔ رمضان المبارک قریب ہے، میرا ارادہ ہے کہ عید کے فوراً بعد تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں، اب تو تنہائی مجھے بھی لگنے لگی ہے، دو چار ننھے بچے ہوں گے تو میرا وقت بھی اچھا کٹ جائے گا۔“

”واحد“ دو جو سکون سے پلکیں موندے لیٹا تھا جسے کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھا۔

”مجھے بتایا نہیں، مجھ سے پوچھا نہیں اور رشتہ بھی طے کر دیا۔“

”تو اور کیا۔۔۔ جو خواب تمہارے باپ نے پورا نہیں کیا، وہ تم پورا کرو گے، میری پسند کی لڑکی سے شادی کر کے۔“

”مکون سی آپ کی پسند کی لڑکی؟“
 ”اربیہ، میری نواسی۔“
 ”ہرگز نہیں۔“ دھڑکتے دل کی پردا کیے بغیر وہ اٹھ
 کھڑا ہوا تھا۔

”آپ چاہیں تو کسی بھنگن سے میری شادی کر سکتے ہیں، مگر میں آپ کی نواسی سے کسی صورت شادی نہیں کروں گا۔“

”کیوں، ایسی کیا برائی دیکھ لی تم نے میری نواسی میں؟“

”بس، مجھے پسند نہیں ہے وہ، اور پلیز مگر ننڈیا، مزید اس ٹاپک پر آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے، میں جلدی یہاں سے بزنس وانڈاپ کر کے ایبروڈ جانا چاہتا ہوں، اب سو جائیں آپ، صبح ناشتے پر ملاقات ہوگی۔“ اس کا قطعی لہجہ سنجیدہ اسی نہیں نم بھی تھا، تبھی عنایت اللہ صاحب بہت دیر تک اس کے اور ارسہ کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔

”اربیہ تمہیں پتا ہے تمہارے کزن صاحب کی
آج کل کیا مصروفیات ہیں؟“ وہ ابھی آکر اپنی سیٹ پر
بیٹھا تھا کہ جب اس کی دوست حمنا اس کے روم میں

چلی آئی۔ سلاار سے متعلق تمام معلومات وہی اس
تک پہنچاتی تھی۔
”کیا؟“ کمپیوٹر آن کرتے کرتے اس نے سر اٹھا کر
حسنہ کی طرف دیکھا تھا جو سنجیدہ تھی۔

”موصوف نے ڈرنک کرنا شروع کر دیا ہے، میری ایک دوست کے بقول ان کی پرکھی سیکرٹری روزانہ ان کو ————— بار گلاب لے جاتی ہے اور پھر خوب ڈرنک کرواتی ہے، ”تمہیں پتا ہے شراب اور شباب اگر اکٹھے ہو جائیں تو پھر تباہی لاتے ہیں“ اس سے پہلے کہ سر اپنا کچھ برادق تصان کر بیٹھیں پلیز تم انہیں سنبھال لو دیکھو ارسہ، محبت میں انا نہیں چلتی، دو دلوں کے درمیان غلط فہمیوں کے بعد جب انا تن کر کھڑی ہوتی ہے تو بہت کچھ چھین لیتی ہے یہ انسان سے میں نے اپنی محبت کھوئی ہے، میں اس کا درد جانتی ہوں اسی لئے کہتی ہوں پلیز جھک جاؤ، جیسے بھی ہو سکے سر کو منال

پلیز ارے، پلیز۔ ”وہ اس کی well wisher تھی اسی لیے اسے اس کے نقصان کی پروا تھی۔ ارے کھوئے کھوئے سے انداز میں سرراشت میں ہلائی۔

روز آفس کے بعد وہ مسز جیم کو مارکیٹ کا کام کر سالار کی طرف چلی آئی تھی۔ جو ناسازی طبیعت کے باعث اس روز جلد گھر آگیا تھا۔ پورے گھر میں ہو کا عالم تھا۔ وہ ادھر ادھر سالار کو تلاش کرتی بالاخر اس کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔

سالار کمرے میں اندھیرا کیے صرف ٹائٹ بلب کی روشنی میں بیٹھا اپنے سامنے چھوٹے میبل پر ولایتی شراب کی بوتل رکھے گلاس منہ سے لگائے جیسے سارے جہان سے بے نیاز ہوا بیٹھا تھا ' اربہ کی آنکھیں اسے اس روپ میں دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

صحیح کہتے ہیں کہنے والے، محبت کی رسی کو ڈھیلا
چھوڑ دیا جائے تو وہ فاصلے پر بھاگتی چلی جاتی ہے، اسیہ کو
اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے مزاج کے
تمام موسموں سے آشنائی کے باوجود اس نے اسے اکیلا

چھوڑ کر غلطی کی تھی۔
 ”سالار۔“ اس سے پہلے کہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں اس نے لپک کر سالار کے ہاتھوں سے شراب کا گلاس چھینا تھا۔
 ”پانگل ہو گئے ہو، مرنا ہی چاہتے ہو تو حلال موت مرو، یہ گندہ احرام مشروب سوائے ذلت اور گمراہی کے کیا دے گا تمہیں۔“
 ”چھوڑو۔“ سالار اس کی بات سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، پیچھے لڑکھڑاتے ہوئے فوراً ”کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر اسی لمحے اتنی دیر میں گلاس کھڑکی سے نیچے گرا دیا تھا جس پر اس کا باغ کھو گیا تھا۔
 ”کیوں آئی ہو تم یہاں، بال۔“ جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ اسے پرے دھکیلتے ہوئے اس نے بول کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، مگر اسی لمحے وہ اس سے پہلے ہی اچھلی۔
 ”دفع ہو جاؤں گی، مگر تمہارا دماغ ٹھکانے لگانے کے بعد۔“
 ”سٹ اپ۔“ وہ کھڑکی کی طرف پلٹی تھی، جب سالار نے غراتے ہوئے اسے دبوچ لیا۔
 ”ارسیہ میرا دماغ خراب مت کرو اور جاؤ یہاں سے۔“
 ”ہرگز نہیں۔“ اس کا دم سالار کی سخت گرفت میں گھٹ رہا تھا، مگر اس نے ضد نہیں چھوڑی۔
 ”ارسیہ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا، لاؤ اور کرو۔“ بخار میں جلتے وجود کے ساتھ اس کا دماغ بھی چکرار رہا تھا۔ اسی لمحے نے خود کو سخت بے بس پاتے ہوئے بول دیوار سے دے ماری، اگلے ہی لمحوں میں کمرے کا قیمتی قالین جو وہ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خراب ہو چکا تھا۔ سالار نے ایک نظر قالین پر ڈالی اور پھر اسی لمحے کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے۔
 ”کیوں آئی ہو یہاں تم؟ کس نے اختیار دیا تمہیں میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کا بولو۔“ اس کے پورے وجود کو جھٹکا دیتے ہوئے اس نے بیڈ پر دھکیلا تھا۔ اسی لمحے سنبھل کر اٹھ بھی نہ پائی تھی کہ

اس نے اس کا دایاں بازو جکڑ لیا۔
 ”پروا جاتی ہو، محبت دکھاتی ہو؟ منافق ہو تم، منافق۔“ اس کے چہرے کو بے دریغ پھینٹوں سے سرخ کرنا وہ جنونی ہو رہا تھا، اسی لمحے کاسر چل کر گر گیا۔
 ”کوئی نہیں ہے میرا یہاں، کوئی بھی نہیں، جن کے ہاں باپ مر جاتے ہیں ان کا کوئی نہیں ہوتا، موت جھوٹی محبتیں جتاؤ مجھ سے، جاؤ، چلی جاؤ۔“ کتنا غبار جمع تھا اس کے اندر، اسی لمحے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ وہ اب دوبارہ کرسی میں دھنسا، آنکھیں بند کیے ضبط کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی لمحے چپ چاپ روٹی رہی۔
 ”تم جاتی ہو کہ اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینکوں؟“ کچھ ہی دیر میں وہ پھر چلا دیا تھا۔ اسی لمحے کے آنسو اس کی جھنجھلاہٹ میں اضافہ کر رہے تھے۔ مگر وہ خاموش تھی۔
 ”تم مجھے مار کر رہو گی، اسی لمحے چپ نہیں آئے گا تمہیں۔“ کتنا بے بس ہو رہا تھا وہ اس وقت۔
 ”اور تم، تم نے تو مجھے پھولوں کے ہار پہنا رکھے ہیں مجھے، ہے نا۔“ وہ بھی سٹکی تھی۔ سالار کے پھینکوں کی شدت نے اس کے چہرے پر جیسے آگ لگا دی تھی۔ اس بار وہ چپ رہا تھا۔
 ”تم بہت برے ہو سالار، بہت زیادہ برے۔“
 ”ہاں ہے مجھے۔“ اس کے شکوے پر آنکھیں کھولے بغیر اس نے فوراً ”تائید کی تھی۔ اسی لمحے آنسو پونچھتے ہوئے قالین پر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اپنا سر اس کی بائیں ران پر رکھ دیا۔
 ”پلیز سالار، مجھے اس طرح سے اذیت مت دو، پلیز یہ سب چھوڑ دو۔“
 ”تم بھی تو اذیت دے رہی ہو، تم کیوں نہیں چھوڑ دیتیں شاد روز اند سٹری کو۔“
 ”چھوڑ دوں گی تم آج پر پوز کرو، میں کل ہی ریزائن دے دوں گی۔“
 ”نہیں، پہلے تم اس اسٹوڈینٹ کو ریزائن دو گی، پھر پر پوز کروں گا میں۔“ اس کی سرخ آنکھوں میں عجیب

سی ضد تھی، اسی لمحے اسے دیکھ کر رہ گئی۔
 ”نہیں سالار، میں کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتی، تم پر پوز کرو گے تو میرے پاس بہانہ ہو گا کہ میری شادی ہو رہی ہے اس لیے ریزائن کر رہی ہوں۔“
 ”نیو، کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتیں، مگر مجھے کر سکتی ہو، مجھے ہرٹ کرتے ہوئے کوئی تکلیف نہیں ہوتی تمہیں، ہے نا؟“ وہ تلخ ہوا تھا، جب وہ بولی۔
 ”تم کیا جانو مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ نہیں۔“ کچھ لمحوں کی خاموشی کی نذر ہوئے تھے، تب وہ بولی۔
 ”تو پھر تم ریزائن دے رہی ہو نا؟“
 ”نہیں، پہلے تم پر پوز کرو گے، پھر ریزائن دوں گی۔“
 ”میں ایسے پر پوز نہیں کروں گا۔“
 ”تو ٹھیک ہے، پھر میں بھی جان نہیں چھوڑوں گی، یونہی بیٹھی رہوں گی تمہارے نام پر۔“
 ”لو کہ مت چھوڑو۔ میں بھی سگریٹ اور شراب نہیں چھوڑ رہا۔“
 ”دیکھوں گی کیسے نہیں چھوڑتے تم شراب اور سگریٹ۔“ بنا کر ایک مکا اس کی ران پر سید کرتے ہوئے وہ کھڑکی ہوئی تھی۔ سالار اسی طرح سرکری کی پشت سے نکائے پھر سے پلکیں موند گیا۔ اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی، جب وہ بولا۔
 ”کھڑ جاؤ اسیہ، پلیز۔“
 ”کیوں جاؤں، ہر نا کہ تمہاری وہ پرکٹی لومڑی یہاں پھر سے تمہارا دماغ خراب کرنے آجائے۔“ پلیٹ کر ابھی وہ قالین صاف کرنے کو اٹھی تھی، جب سالار کی گزارش پر دوبارہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ سالار اسے دیکھ کر رہ گیا۔
 ”چھو پھو اور گرینڈ پاریشن ہوں مے۔“
 ”ہونے دو۔“
 ”پانگل مت بنو اسیہ، چلو میں چھوڑ آتا ہوں تمہیں۔“
 ”میں نے نہیں جانا، سنا تم نے؟“ وہ اس کی حالت دیکھ رہی تھی۔ سالار بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔
 ”کیوں پریشان کر رہی ہو اسیہ؟“

”میں“ میں پریشان کر رہی ہوں تمہیں کہ تم مجھے پریشان کر رہے ہو؟“ وہ غصے میں تھی۔ سالار نے کرسی پر ہی اپنا وجود ڈھکیلا چھوڑ دیا۔
 ”اٹھو یہاں سے، بیڈ پر چلو۔“ اس سے پہلے کہ وہ کمری نیند میں جاتا اسی لمحے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”کتنا تیز بخار ہو رہا ہے، مگر مجاہل ہے جو کوئی پروا ہو، دو انہیں لے سکتے، نشہ جتنا چاہو کرو الو۔“ پھر سے اپنے اصل روپ میں مکمل استحقاق کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ سالار لڑکھڑاتے وجود کو کنٹرول کیے کرنے والے انداز میں بیڈ پر ڈھے گیا۔
 ”نشہ کو نشہ مارتا ہے، تم آ جاؤ اسیہ، میں سب کچھ چھوڑ دوں گا۔“ وہ اب یقیناً ”ہوش کھو رہا تھا۔ اسیہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس پر کبل ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔
 ~ ~ ~
 موسم میں تبدیلی آ رہی تھی۔ سالار نے اس روز کے بعد پھر چپ سادھ لی تھی۔ منہ کے بقول وہ اپنی سیکریٹری کے ساتھ بیرون ملک دورے پر تھا۔ اسیہ نے سوچ لیا کہ وہ اس کی سیکریٹری کا دماغ ضرور ٹھیک کر کے رہے گی۔ اسی کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان دوری آئی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی اسے اپنی کمپنی کے لیے شاد روز کے ساتھ کراچی سے اسلام آباد دورے پر جانا پڑ گیا۔
 تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ واپس آئی تو مسز حیم ”سالار ہاؤس“ جانے کی مکمل تیاری کیے بیٹھی تھیں۔ رمضان المبارک کی آمد آمد تھی اور مسز حیم کا ارادہ عید تک وہیں رہنے کا تھا، کیونکہ اس بار سالار نے بھی تمام روزے رکھنے کا عندیہ دے دیا تھا، اور انہیں بابا کے ساتھ ساتھ سالار کو بھی روزے رکھوانے تھے۔
 اسیہ چونکہ تھکن سے بے حال تھی۔ لہذا ان کی اس اطلاع کو سرسری سنا اور جلدی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ سالار کا موبائل پیچھے بیس روز سے بند جا رہا تھا۔ وہ نئے سرے سے سلتی بیڈ پر آ گئی۔ آج کل

آفس کی تمام ذمہ داریاں اسی کے کندھوں پر آ پڑی تھیں، کیونکہ شاہ روز اپنی بہن کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ صرف شام میں ایک چکر لگاتا تھا اور یہ بات سالار سے پوشیدہ نہیں تھی، اربیبہ کے پل پل کی اسے خبر تھی۔

اس روز بھی شدید سرد موسم میں وہ ان کی طرف آیا تھا۔ مسز جیم بیٹر جلا کر ہال کمرے میں ہی بیٹھی تھیں، وہ ان سے باتوں میں لگ گیا، پیٹھی وہ بے حد سچی سنوری اپنے کمرے سے نکلی تھی۔

”تو کے نما میں جا رہی ہوں، سر گاڑی بھیج رہے ہیں، تھوڑی لیٹ ہو جاؤں تو پریشان مت ہوئے گا۔“ اس کی نگاہ سالار پر پڑ چکی تھی جو اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر گئی۔

”اربیبہ موسم بہت خراب ہے بیٹے، تھوڑی دیر ٹھہر کر چلی جانا۔“ اس کو پیار کرنے پر مسز جیم منمنائی تھیں، مگر نہ مانی۔

”نہیں ماما، پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکی ہوں، پھر زیادہ دیر ہو جائے گی۔“ سالار کو اس نے کوئی لفت ہی نہیں کرائی تھی، بھی وہ اٹھا تھا۔

”تم اس وقت کہیں نہیں جاؤ گی اربیبہ۔“ اس کے چہرے پر اور لہجے میں چٹانوں سی سختی تھی، اربیبہ کو ضد ہو گئی۔

”کیوں نہیں جاؤں گی، میرے پاس کی بہن کی شادی ہے، میں بطور خاص مدعو ہوں وہاں۔“

”میں نے کہہ دیا تھا اس وقت تم کہیں نہیں جاؤ گی، چلو کمرے میں۔“

”میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی، تم کون ہوتے ہو میرے پرستل معاملات میں دخل اندازی کرنے والے۔“ اربیبہ کا دل سیکر بیڑی کے ساتھ اس کے غیر ملکی دورے کی وجہ سے جلا ہوا تھا۔ سالار کا ہاتھ اس پر اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔

”اربیبہ سالار کہہ رہا ہے تو مت جاؤ بیٹے۔“ دونوں کو ضد میں دیکھ کر مسز جیم نے مداخلت کی تھی، جب وہ تیز لہجے میں بولی۔

”سالار شوہر نہیں ہے میرا ماما، جب تک خود دوست کے کے لوگوں کے ساتھ ملک سے باہر عیاشیاں کر سکتا ہے تو پھر میں تو صرف اخلاقیات نبھا رہی ہوں۔“ کاہل سے سچی خوب صورت آنکھوں میں رنج تھا اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے باہر گاڑی کے بارن پر وہ ٹک ٹک کرتی گھر سے نکل چکی تھی۔ سالار کا مان ٹوٹا تھا اور بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔

اک آگ تھی جس نے اس کے پورے جسم کا احاطہ کر لیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند لمحوں میں مزید کھڑا رہا تو اس کی شریانیں پھٹ جائیں گی، بھی مسز جیم کو کچھ بھی کہنے کا موقع دینے بغیر وہ فوراً وہاں سے نکل آیا۔

باہر بارش زوروں پر تھی۔ سالار گاڑی میں بیٹھنے کی بجائے پیدل ہی چل پڑا۔ اندر جو آگ لگی تھی وہ بارش کے سرد قطروں سے بجھتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔



وہ اک معصوم سی چاہت وہ اک بے نام غمی لفت وہ میری ذات کا حصہ، وہ میری زیست کا قصہ مجھے محسوس ہوتا ہے وہ میرے پاس ہے اب بھی وہ جب جیسا داتا ہے نگاہوں میں سماتا ہے زبان خاموش رہتی ہے مگر یہ آنکھ روٹی ہے

میں خود سے پوچھ لیتا ہوں جسے میں یاد کرنا ہوں اسے کیا پیار ہے مجھ سے جواب ”ہاں“ سوچ لیتا ہوں اسے بھی پیار تھا ”شاید“

اسی ”شاید“ سے وابستہ ہے اب تو ہر خوشی میری یہی اک لفظ ”شاید“ بن گیا ہے زندگی میری ”کیا اربیبہ خوب صورت نہیں تھی۔“ آسمان سے ٹپکتی بارش کی تیز بوندوں میں سالار کے

قدموں سے قدم ملا کر چلتے ہوئے ہانیہ نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں ابھی ابھی آفس سے نکلے تھے۔ سالار کا رتکا اس کے سوال پر ٹوٹا تھا۔

”خوب صورت تھی، بہت خوب صورت۔“ بے ساختہ گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے اوپر آسمان کی طرف نگاہ کی تھی۔

”ہوں، کیا اب خوب صورت نہیں رہی۔“ وہ مسکراتی تھی مگر سالار نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ ”پچاس سال گزر گئے، میں نے تو اس کی آواز بھی نہیں سنی۔“ وہ اب گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔ ہانیہ دوسری سائیڈ کا ڈور کھول کر فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر بیٹھ گئی۔

”مانڈ مت کیجیے گا سر، مگر میرے خیال سے آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ محبت میں بہت وسعت ہوتی ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھ کر دنیا تیاگ دینا، عقل والوں کا شیوہ نہیں۔“

”تم نہیں سمجھو گی ہانیہ، یہ معاملات محبت تم نہیں سمجھو گی۔“ وہ اب گاڑی اشارٹ کر رہا تھا۔ ہانیہ کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”جیجیجی کہہ رہے ہیں آپ، جس نے اس راہ میں اپنا سب کچھ گنوا دیا ہو، وہ کیا سمجھے گی یہ معاملات کیا ہوتے ہیں۔“ انجانے میں ہی سسی، مگر سالار شیرازی نے اس کے رستے زخموں کو چھیڑا تھا۔

”آپ اس دس کو چھوڑ آئے سر، جسے دیکھنے کی چاہ میں، میں پچھلے دس سال سے اندر سے مرجانے کے باوجود جی رہی ہوں۔ وہ دس جہاں میرا دل، میری محبت منوں مٹی تلے سو رہی ہے، میرے لیے وہی کعبہ، وہی قبلہ ہے، میں نے وہ ملک نہیں دیکھا، پھر بھی پتا نہیں یہ کیسی کشش ہے، جو اپنی طرف کھینچتی ہے، میں کوئی پاکستانی رسالہ مس نہیں کرتی، آپ نہیں جان سکتے سر، کہ ان رسالوں میں جب میں پاکستانی گھرانوں کی کہانیاں پڑھتی ہوں تو میری روح لیے بے قراری سے اس دھرتی کی سرحدوں کو چھونے کی تمنا کرتی ہے، وہ کلچر جو اب حادثوں، پریشانیوں، مصیبتوں کی نذر ہو گیا

ہے، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں، یہاں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں، یہاں زندگی اپنے پر سینے سکون سے سو رہی ہے، مگر وہاں وہاں زندگی جانتی ہے، سر، محبت متحرک ہے وہاں، اور آپ اسی محبت کو چھوڑ آئے؟“ ہانیہ کے آنسو اب گالوں پر بہہ رہے تھے۔ سالار نے بے ساختہ لب بچھ لیا۔

”تم کچھ نہیں جانتیں ہانیہ، اسے میری محبت کی ضرورت نہیں تھی، پیسے اور نمود نمائش کی ضرورت تھی، اس کے لیے میرے بنا جینا آسان ہے، مگر دوسروں کی واہ، واہ کے بغیر جینا بہت مشکل ہے، محبت اس کے لیے زندگی نہیں ہے اب بھی جبکہ اس کا بھائی اپنی فیملی کے ساتھ واپس پلٹ گیا ہے، وہ اسی کمپنی سے وابستہ ہے، اب بھی G.M کے عہدے پر کام کر رہی ہے وہ۔“ اب بھی اس کے اندر غبار جمع تھا۔ ہانیہ کچھ لمحوں کے لیے بالکل خاموش بیٹھی رہی۔

”اس بار عید پر پاکستان جا میں گے؟“ ”نہیں۔“ گاڑی ہانیہ کے لپار ٹمٹ کے سامنے روکتے ہوئے فوراً ”اس نے جواب دیا تھا، جب وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولی۔

”آفس اوکے۔ مگر میں اس عید پر اپنے بھائی کے ساتھ پاکستان جا رہی ہوں۔ آپ کی اربیبہ صاحبہ سے بھی ملوں گی، پھر ریان بھائی کی خواہش بھی ہے کہ میں ان کے گھر والوں سے ملوں۔“

”لوکے۔“ اس نے اربیبہ کے بھائی ریان کا حوالہ دیا تھا جو عرصہ دراز سے بیس امریکہ میں مقیم تھا اور پچھلے ہفتے ہی اس کی کوششوں سے پاکستان واپس لوٹا تھا۔ جس پر گریڈ پا اور مسز جیم دونوں اس کے مشکور تھے۔ ہانیہ ریان کی سسٹرن بلا بھی تھی اور منہ بولی بہن بھی سالار جن دونوں پاکستان چھوڑ کر امریکہ آیا تھا، وہ ریان کی فیملی کے ساتھ ہی رہتی تھی، بعد ازاں اسے ایک پاکستانی دوست مل گئی تو اس کی خواہش پر اس کے لپار ٹمٹ میں شفٹ ہو گئی۔

پچھلے پانچ سال سے وہ سالار کے ساتھ اس کی کمپنی

پیچھے سے اربہ کی پکار نے اسے چپ کروا دیا۔ سالار کا روال رواں جیسے سماعت بن گیا تھا۔

”یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں تمہیں نیچے تلاش کر رہی تھی، چلو مارکیٹ چلیں۔“

”مارکیٹ کیوں پھوپھو؟ ابھی تو رمضان کا چاند بھی نظر نہیں آیا اور آپ عید کی تیاری میں لگ گئیں؟“

”نہیں بابا۔ رمضان کے لیے ہی کچھ شاپنگ کرنی ہے، ساتھ میں تمہارے لیے بھی تھوڑی سی خریداری ہو جائے گی، روزہ رکھ کر تو مارکیٹ جایا ہی نہیں جائے گا۔“ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سالار اس کی گفتگو سن رہا ہے۔

”اپنے لیے کچھ نہیں خریدیں گی۔“ سندس کو پتا تھا کہ سالار سن رہا ہے، ابھی وہ اسے کرید رہی تھی۔

اربہ نے اس کے سوال پر بے ساختہ نگاہ چرائی تھی۔

”کیوں؟“ وہ بھی اسی کی بھتیجی تھی۔ اربہ سے وضاحت مشکل ہو گئی۔

”بس پونہی، دل نہیں چاہ رہا، ویسے بھی یہ عید تو بچوں کی ہوتی ہے، بھول کی نہیں۔“

”اچھا جی، صرف چھبیس سال کی عمر میں انسان بھول میں شمار ہو جاتا ہے؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتیں پھوپھو کہ آپ سالار انکل کو مس کر رہی ہیں۔“ وہ بہت ہوشیار تھی۔ پھر اسے معاملے کا بھی پتا تھا۔ سالار کو بے ساختہ اس پر ڈھیڑوں پیار آیا، مگر وہ اس سے بہت دور تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”جھوٹ، آپ کا سرخ چہرہ اور لرزتی پلکیں بتا رہی ہیں کہ ایسی ہی بات ہے، وہ وہاں اکیلے ہیں پھوپھو۔“

”میری کوئی ضد نہیں ہے، فضول ضدیں وہ لگاتا ہے، اس نے مجھے ہرٹ کیا ہے، میں نے اسے کبھی ہرٹ نہیں کیا، پھر بھی اگر وہ ہم سب کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے تو یہاں بھی کوئی اس کے بغیر نہیں مر رہا۔“

”سندس کے ساتھ ساتھ اس کی پلکیں بھی جھپکی تھیں۔“

”آپ کو پتا ہے اربہ اتنی برسوں اسپتال میں تھیں۔ لی لی شوٹ کر گیا ہے۔ اب بھی بخار اور کھانسی ہے، مگر وہ انہیں لے رہیں، کل ساری رات بارش میں بیٹھتی رہی تھیں۔ اتنی ویک ہو گئی ہیں کہ شاید آپ دیکھیں تو آپ بھی نہ پہچانیں۔“

”سندس۔“ وہ ابھی اور بھی معلومات فراہم کرتی کہ

کے لیے کام کر رہی تھی اور سالار نے اسے دوستی کے ساتھ ساتھ کام میں بھی بہت مخلص پایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنا زیادہ تر فارغ وقت اسی کے ساتھ بیٹا تھا یا پھر سندس کے ساتھ جو ریان کی اکلوتی بیٹی تھی اور صرف تیرہ سال کی تھی، مگر اپنی زبان اور سمجھ داری کے باعث اس نے سب کو اپنا گرویدہ کیا ہوا تھا۔ سالار اس کے پاکستان جانے پر خاصا اداس تھا کیونکہ بانیہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس کی بہت اچھی سامع تھی۔ اور اس کی دلچسپ باتوں میں وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کرتا تھا۔ بانیہ کی بھی اس سے بہت دوستی تھی کیونکہ وہ اس کی سگی خالہ تھی اور دونوں کا چوبیس گھنٹوں کا ساتھ تھا۔ ریان کی بیگم مہ جیس کی جانب کے باعث اسی نے سندس کو سنبھالا تھا لہذا ماں کی نسبت وہ اسی کے زیادہ قریب تھی۔

بانیہ کو چھوڑ کر جس وقت وہ گھر واپس آیا اس کے پورے وجود پر تھکن سوار تھی۔ وہ ابھی بستر پر لیٹا ہی تھا کہ پاکستان سے سندس کی کال آئی۔ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ سیل آف کر کے رکھ دیتا، مگر سندس کی کال کا انتظار تو اسے خود رہتا تھا، تبھی فوراً ”پک کی تھی۔“

”السلام علیکم انکل۔“

”وعلیکم السلام، کیسی ہو؟“

”دیری فائن، آپ بتائیے مجھے مس کر رہے ہیں کہ نہیں؟“

”نہیں۔“

”جھوٹ۔“ اس کے نہیں پر فوراً ”وہ بولی تھی۔“

سالار جواب میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

”انکل۔“

”ہوں۔“

”آپ کو پتا ہے اربہ اتنی برسوں اسپتال میں تھیں۔ لی لی شوٹ کر گیا ہے۔ اب بھی بخار اور کھانسی ہے، مگر وہ انہیں لے رہیں، کل ساری رات بارش میں بیٹھتی رہی تھیں۔ اتنی ویک ہو گئی ہیں کہ شاید آپ دیکھیں تو آپ بھی نہ پہچانیں۔“

”سندس۔“ وہ ابھی اور بھی معلومات فراہم کرتی کہ

سالار نے چپکے سے لائن ڈس کنکٹ کر دی۔ اب بھی وہی ہی تھی وہ دل کی نرم، مزلن ج کی گرم، سالار کی محسوس جیسے مزید بڑھ گئی۔

”تمہیں یہ ضد چھوڑنی پڑے گی اربہ، تمہیں خود مدد دے کر مجھے واپس بلانا پڑے گا، نہیں تو میں کبھی واپس نہیں آؤں گا، چاہے ساری عمر بیت جائے۔“

دھیرے سے پلکیں موند کر موبائل سینے پر رکھتے ہوئے اربہ کے تصور کو ذہن میں لا کر اس نے پھر وہی عمدہ دہرایا تھا، جو ہر روز رات میں سونے سے پہلے، پچھلے پانچ سال سے دہرا رہا تھا۔

اربہ کے لیے زندگی جیسے کسی ایک مرکز پر ٹھہر گئی تھی۔

پچھلے پانچ سالوں نے کتاب بدل کر رکھ دیا تھا اسے اپنا گھر، اور آٹھس میں اپنا روم ہی جیسے اس کی زندگی کے محور بن کر رہ گئے تھے۔ اس روز شاہ روز آندہ کی بن کی شادی میں جانے والی ضد کی غلطی کا احساس اسے اگلے روز ہی ہو گیا تھا اور وہ فوری سالار سے ایکسکوز کرنے گھر آئی تھی۔ مگر وہاں آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ تو صبح کی فلاٹ سے ہی ایبروڈ فلانی کر گیا ہے۔

تب سے پورے ایک ماہ تک وہ مسلسل اس سے رابطہ کی کوشش میں بلکن رہی تھی۔ مگر وہ اتنا ناراض ہو گیا تھا کہ نہ اس کی میل کا جواب دیتا، نہ اس سے فون پر بات کرنا پسند کرتا، رفتہ رفتہ وہ اس کی غلطی سے تھک گئی۔

اور پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس نے اندر سے ہرٹ ہونے کے باوجود خود پر بے حسی کی ردالو ڈھلی۔ سالار کی اتنی شدید ناراضی اس کے سخت دل آزاری کا باعث بنی تھی کہ اس پر اس کی نظر اندازی اور لاپرواہی نے مزید سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

وہ روز اسے میل کرتی اور ٹھنڈوں پاگلوں کی طرح کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اس کے جواب کا انتظار

کرتی تھی۔

اربہ کے لیے زندگی جیسے کسی ایک مرکز پر ٹھہر گئی تھی۔

پچھلے پانچ سالوں نے کتاب بدل کر رکھ دیا تھا اسے اپنا گھر، اور آٹھس میں اپنا روم ہی جیسے اس کی زندگی کے محور بن کر رہ گئے تھے۔ اس روز شاہ روز آندہ کی بن کی شادی میں جانے والی ضد کی غلطی کا احساس اسے اگلے روز ہی ہو گیا تھا اور وہ فوری سالار سے ایکسکوز کرنے گھر آئی تھی۔ مگر وہاں آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ تو صبح کی فلاٹ سے ہی ایبروڈ فلانی کر گیا ہے۔

تب سے پورے ایک ماہ تک وہ مسلسل اس سے رابطہ کی کوشش میں بلکن رہی تھی۔ مگر وہ اتنا ناراض ہو گیا تھا کہ نہ اس کی میل کا جواب دیتا، نہ اس سے فون پر بات کرنا پسند کرتا، رفتہ رفتہ وہ اس کی غلطی سے تھک گئی۔

اور پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس نے اندر سے ہرٹ ہونے کے باوجود خود پر بے حسی کی ردالو ڈھلی۔ سالار کی اتنی شدید ناراضی اس کے سخت دل آزاری کا باعث بنی تھی کہ اس پر اس کی نظر اندازی اور لاپرواہی نے مزید سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

وہ روز اسے میل کرتی اور ٹھنڈوں پاگلوں کی طرح کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اس کے جواب کا انتظار

کرتی تھی۔

اربہ کے لیے زندگی جیسے کسی ایک مرکز پر ٹھہر گئی تھی۔

پچھلے پانچ سالوں نے کتاب بدل کر رکھ دیا تھا اسے اپنا گھر، اور آٹھس میں اپنا روم ہی جیسے اس کی زندگی کے محور بن کر رہ گئے تھے۔ اس روز شاہ روز آندہ کی بن کی شادی میں جانے والی ضد کی غلطی کا احساس اسے اگلے روز ہی ہو گیا تھا اور وہ فوری سالار سے ایکسکوز کرنے گھر آئی تھی۔ مگر وہاں آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ تو صبح کی فلاٹ سے ہی ایبروڈ فلانی کر گیا ہے۔

اربہ کے لیے زندگی جیسے کسی ایک مرکز پر ٹھہر گئی تھی۔

پچھلے پانچ سالوں نے کتاب بدل کر رکھ دیا تھا اسے اپنا گھر، اور آٹھس میں اپنا روم ہی جیسے اس کی زندگی کے محور بن کر رہ گئے تھے۔ اس روز شاہ روز آندہ کی بن کی شادی میں جانے والی ضد کی غلطی کا احساس اسے اگلے روز ہی ہو گیا تھا اور وہ فوری سالار سے ایکسکوز کرنے گھر آئی تھی۔ مگر وہاں آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ تو صبح کی فلاٹ سے ہی ایبروڈ فلانی کر گیا ہے۔

تب سے پورے ایک ماہ تک وہ مسلسل اس سے رابطہ کی کوشش میں بلکن رہی تھی۔ مگر وہ اتنا ناراض ہو گیا تھا کہ نہ اس کی میل کا جواب دیتا، نہ اس سے فون پر بات کرنا پسند کرتا، رفتہ رفتہ وہ اس کی غلطی سے تھک گئی۔

اور پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس نے اندر سے ہرٹ ہونے کے باوجود خود پر بے حسی کی ردالو ڈھلی۔ سالار کی اتنی شدید ناراضی اس کے سخت دل آزاری کا باعث بنی تھی کہ اس پر اس کی نظر اندازی اور لاپرواہی نے مزید سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

وہ روز اسے میل کرتی اور ٹھنڈوں پاگلوں کی طرح کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اس کے جواب کا انتظار

کرتی تھی۔

اربہ کے لیے زندگی جیسے کسی ایک مرکز پر ٹھہر گئی تھی۔

پچھلے پانچ سالوں نے کتاب بدل کر رکھ دیا تھا اسے اپنا گھر، اور آٹھس میں اپنا روم ہی جیسے اس کی زندگی کے محور بن کر رہ گئے تھے۔ اس روز شاہ روز آندہ کی بن کی شادی میں جانے والی ضد کی غلطی کا احساس اسے اگلے روز ہی ہو گیا تھا اور وہ فوری سالار سے ایکسکوز کرنے گھر آئی تھی۔ مگر وہاں آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ تو صبح کی فلاٹ سے ہی ایبروڈ فلانی کر گیا ہے۔

تب سے پورے ایک ماہ تک وہ مسلسل اس سے رابطہ کی کوشش میں بلکن رہی تھی۔ مگر وہ اتنا ناراض ہو گیا تھا کہ نہ اس کی میل کا جواب دیتا، نہ اس سے فون پر بات کرنا پسند کرتا، رفتہ رفتہ وہ اس کی غلطی سے تھک گئی۔

اور پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس نے اندر سے ہرٹ ہونے کے باوجود خود پر بے حسی کی ردالو ڈھلی۔ سالار کی اتنی شدید ناراضی اس کے سخت دل آزاری کا باعث بنی تھی کہ اس پر اس کی نظر اندازی اور لاپرواہی نے مزید سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

وہ روز اسے میل کرتی اور ٹھنڈوں پاگلوں کی طرح کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اس کے جواب کا انتظار

کرتی تھی۔

اربہ کے لیے زندگی جیسے کسی ایک مرکز پر ٹھہر گئی تھی۔

پچھلے پانچ سالوں نے کتاب بدل کر رکھ دیا تھا اسے اپنا گھر، اور آٹھس میں اپنا روم ہی جیسے اس کی زندگی کے محور بن کر رہ گئے تھے۔ اس روز شاہ روز آندہ کی بن کی شادی میں جانے والی ضد کی غلطی کا احساس اسے اگلے روز ہی ہو گیا تھا اور وہ فوری سالار سے ایکسکوز کرنے گھر آئی تھی۔ مگر وہاں آکر اسے پتا چلا تھا کہ وہ تو صبح کی فلاٹ سے ہی ایبروڈ فلانی کر گیا ہے۔

تب سے پورے ایک ماہ تک وہ مسلسل اس سے رابطہ کی کوشش میں بلکن رہی تھی۔ مگر وہ اتنا ناراض ہو گیا تھا کہ نہ اس کی میل کا جواب دیتا، نہ اس سے فون پر بات کرنا پسند کرتا، رفتہ رفتہ وہ اس کی غلطی سے تھک گئی۔

اور پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس نے اندر سے ہرٹ ہونے کے باوجود خود پر بے حسی کی ردالو ڈھلی۔ سالار کی اتنی شدید ناراضی اس کے سخت دل آزاری کا باعث بنی تھی کہ اس پر اس کی نظر اندازی اور لاپرواہی نے مزید سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

وہ روز اسے میل کرتی اور ٹھنڈوں پاگلوں کی طرح کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اس کے جواب کا انتظار

بڑی سزا دے گیا وہ شخص اسے کہ اب نہ اس کا شمار زندوں میں رہا تھا نہ مردوں میں بظاہر وہ پرسکون تھی مگر اندر کہیں دل کی ٹکری کا ہر گوشہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔ پچھلی چار عیدوں کی طرح اس عید پر بھی اس کے لیے کہیں کوئی چارم نہیں تھا۔

ریان کے اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان آ جانے پر گویا زندگی میں اپنل آگئی تھی۔ گرینڈ پا اور مسز رحیم کی زندگی کو مقصد مل گیا تھا، مگر کوئی دن ایسا نہیں تھا جب ان سب کے درمیان اس سنگم کا ذکر نہ ہوتا، کوئی رات ایسی نہیں تھی جب اسے یاد کر کے اس کا تکیہ آنسو سے نہ بھیکتا۔

سالار کی دوری نے اسے اللہ سے قریب کر دیا تھا۔ اس کی نمازیں باقاعدہ اور دعائیں لمبی ہو گئی تھیں۔ اس روز رمضان المبارک کے پہلے روزے میں سحری اور افطاری کے وقت پھر کسی کی یاد نے اس کا آچل بھگولیا تھا۔ کسی کی سستی، کسی کی شرارتوں، غصے اور مدھر میٹھی باتوں نے اتنا بے کل کیا کہ ستائیسویں شب میں عبادت کے دوران جو اس نے دعا کو ہاتھ اٹھائے تو پھر اتنا روئی کہ بمشکل گھر کے تمام افراد کو اسے چپ کرانا پڑا۔

ضبط کے بندھ جیسے اب ٹوٹنے کا بہانہ تلاشتے تھے سندس نے بہت دکھ سے اسے روتے دیکھا تھا اور پھر اسی وقت اپنے کمرے میں آکر اس نے ہانیہ کو کال ملائی تھی۔ کیونکہ سالار کا نمبر بند جا رہا تھا۔ جواب میں ہانیہ نے جو ہدایات اسے دیں۔ سندس خوب غور سے سنی ان پر عمل درآمد کا پکا پرامس کر گئی۔

ہانیہ نے پاکستان آنے کی اپنی تمام تیاری مکمل کر لی تھی۔

رمضان کی ستائیسویں شب اس کی پاکستان کے لیے ٹکٹ کفرم ہو گئی تھی۔ سالار اسے ایئر پورٹ جھوڑنے آیا تھا وہ اتنی خوش اور ایکساٹینڈ تھی کہ وہ بے ساختہ اس کے چہرے سے نگاہ چرا گیا۔

”ہانیہ ایک بات کہوں؟“ اس کا بھائی ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہو چکا تھا، جب وہ گاڑی سے نیک لگاتے ہوئے بولا تھا، جواب میں ہانیہ نے خاصی حیرانی سے اس کی طرف نگاہ کی۔

”ہوں، کہو۔“ بکھرے بکھرے سے رخ چلے میں وہ کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ اسے من ہی من میں اس کی نظرات تار پڑی، تبھی وہ بولا تھا۔

”اگر سالار شیرازی کی زندگی میں اریبہ شاہ نہ ہوتی تو وہ ضرور تم سے پیار کرتا ہانیہ، کیونکہ تم بہت اچھی ہو بہت زیادہ۔“

”اریبہ شاہ سے بھی زیادہ؟“ وہ مسکرائی تھی، جب وہ غصہ دیا۔

”نہیں، اس سے ذرا سی کم۔“ اور اس بار کھلکھلا کر ہنسنے کی باری ہانیہ کی تھی۔

”کاش“ میں اریبہ شاہ ہوتی سالار، تو تمہیں اتنا سنبھال کر رکھتی کہ تم چاہتے بھی تو میرے بغیر ایک دن کہیں نہ رہ سکتے، تمہاری ذات کے سارے موسم صرف میرے ساتھ میں، میری ذات سے حسین ہوتے۔“ دیر تک سالار کے چہرے پر نگاہ جمایا اس نے صرف سوچا تھا اور پھر مسکرا کر نگاہ اس کے خوب صورت چہرے سے ہٹائی تھی۔

”بتاؤں گی اسے۔ آپ اپنا خیال رکھنا، پلیز۔“

”اوکے۔“ وہ بھی مسکرایا تھا اور پھر وہ تیز چلتی اسے ہاتھ ہلا کر ایئر پورٹ کی عمارت میں گم ہو گئی۔ سالار اس کے جانے کے بعد بوجھل دل و دماغ کے ساتھ دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد بہت لیٹ گھر واپس لوٹا تھا۔ آج ایک مدت کے بعد اس کا دل پھر ڈرنک کرنے کو چاہ رہا تھا، مگر کسی کی قسم اسے پھر جکڑ کر رکھ دیتی۔

بے بسی کی انتہا پر ٹوٹے وجود کے ساتھ بالآخر اس نے کمپیوٹر آن کیا تھا۔ بھوک، پیاس کا احساس مٹ گیا تھا، ایک بار عبادت کے لیے دل چاہا، مگر پھر سستی غالب آگئی۔ تھکے تھکے سے اعصاب کے ساتھ ساتھ اپنا میل یا کس اوپن کرتے ہی اس کی آنکھیں

چیرھیا کی تھیں۔ پچھلے پانچ سال میں ہر روز ہزاروں میلز میں سے جو ایک میل بڑھنے کے لیے اس کی نگاہ بے قرار رہتی تھی، آج اس کے میل بکس میں ”اریبہ شاہ“ کے نام کی وہ میل موجود تھی۔ اس کا دل یکبارگی بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔ کمپیوٹر اسکرین پر اریبہ کے الفاظ اس کی آنکھوں کی آبی ڈی کے ساتھ جگمگا رہے تھے۔

”سالار! تم جو کہو گے میں وہی کروں گی، پلیز واپس آ جاؤ۔“

”اریبہ شاہ! ایک بار، دو بار، تین بار اس نے بار بار اس ایک سطری جملے کو پڑھا اور پھر جیسے خوشی سے جھوم اٹھا۔ دیر سے ہی سہی بالآخر اس لڑکی کو اپنی زندگی میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ بستر سے اٹھا اور بھرپور مسرت کے عالم میں کمپیوٹر کی اسکرین کو چوم لیا۔

ساتھ ہی ساتھ اس نے اریبہ کا موبائل نمبر بھی بریس کر ڈالا، تاکہ اس کا شکریہ ادا کرے اسے ذرا سا تنگ کر سکے، مگر وہ آف جا رہا تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا اور پھر موبائل بیلڈ پر پھینک کر گہری سانس بھرتے ہوئے ہانیہ کا نمبر بریس کرنے کے لیے خود بھی پیکر پر ڈھے گیا۔ صرف ایک لمحوں میں زندگی پھر سے کئی حسین ہو گئی تھی۔

”اریبہ پھوپھو، آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں، کسی کو بتائیں گی تو نہیں؟“ اریبہ کچن میں افطاری کی تیاری میں مصروف تھی، جب سندس اس کی ہلپ کے دوران رازداری سے بولی، وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”کیا؟“

”پہلے وعدہ کریں صرف اپنے تک رکھیں گی اور ہرٹ نہیں ہوں گی۔“

”اوکے، بتاؤ۔“ جانے کیوں اس کا دل دھڑکا تھا۔ سندس اس کے مزید قریب کھسک آئی۔

”کل ہانیہ آنی آرہی ہیں یہاں، آپ کو پتا ہے

سالار انکل اور ہانیہ آنی بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔“

”واٹ!“ اس کے دل کو بہت بڑا دھچکا لگا تھا۔ مگر سندس باز نہیں آئی۔

”جی اریبہ آنی، میں نے خود سنا تھا، سالار انکل انہیں کہہ رہے تھے کہ وہ پاکستان جا کر سب سے مل آئیں، تاکہ سب انہیں دیکھ لیں، پھر ممبلیا سے دونوں کی رشتے کی بات کریں گی۔“ وہ بول رہی تھی اور اریبہ کی آنکھوں کے آگے جیسے اندھیرا چھا رہا تھا، دل پاتل کی اتھاہ گمراہیوں میں ڈوبنے لگا تھا۔ وہ کچن سے نکلی تھی اور سندس کو کچھ کے بغیر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس کا دل جیسے درود کی شدت سے پھٹ جائے گا۔

”کیا اس شخص کے پیار کی حقیقت بس یہ ہی تھی۔“ وہ روئی تھی اور ایک مرتبہ پھر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی، جبکہ سمندر پار بیٹھے سالار کو اس بات کا گمان تک نہیں تھا۔

اس روز چاند رات تھی۔ گھر میں بازاروں میں عجیب سی گمراہی کا راج تھا۔ جب سے ریان پاکستان آیا تھا گرینڈ پا اور مسز رحیم کے ساتھ ساتھ اریبہ کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، مگر اس کے باوجود دل کے اندر کہیں کسی کو نے میں عجیب سی وحشت ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی۔ دل تھا کہ نہ دنیا کی رونق میں لگ رہا تھا نہ عبادت میں۔

ہر مل ساعتیں جیسے کسی مانوس سی آہٹ کے انتظار میں بندھ کر رہ گئی تھیں۔

اس روز بھی افطاری کے بعد وہ ابھی کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آئی تھی کہ حمنہ کی کال آگئی۔ اریبہ کا دل اس وقت بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت شدت سے کسی غمگسار کی کئی محسوس کر رہی تھی۔ لہذا حمنہ کی کال ایک طرح سے اس کے لیے دلی مراد بر آنے کے مترادف تھی۔

ماموں جی اے ہیں میرے ساتھ چلو پیش لڑان سے مل لو۔“

وہ ابھی پلٹی ہی تھی کہ راوزر شرٹ میں ملبوس

تھا۔

۱۱۱

85

۸۵

۸۴

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

بول۔ بہت کچھ ہو گیا ہے پچھلے پانچ سال میں۔
آئی پر اس سال۔ اب میں ایسا کچھ نہیں کروں گی جو
تمہیں اچھا نہ لگے۔ بس پلیز تم مجھے یوں چھوڑ کر مت
جانا میری محبت کا ایسا امتحان مت لینا پلیز۔“
”نہیک ہے۔ اب آیا ہے اونٹ ہاؤس کے نیچے
چلو اب عید کی شاپنگ کروں گا تمہیں اس بار تو
عید منائی نا؟“
سالار کے سوال کا جواب اربہ کی بجائے سندس
اور ہانیہ نے دیا تھا۔
”ہاں، بھی کیوں نہیں؟ آخر کو اربہ کا چاند اس بار
پردیس کی بدلیوں سے نکل آیا ہے۔“
سالار کے ساتھ ساتھ اربہ نے بھی پلٹ کر دیکھا
اور ہانیہ کو دیکھ کر اس سے اپنا سلوک پر شرمندگی
سے سر جھکا گئی۔
”چلیں جانب، اب صبح کی خوشی میں سب کو
مارکیٹ لے کر چلیں، ذرا ہم بھی تو دیکھیں پاکستان میں
عید کیسے منائی جاتی ہے۔ اور چاند رات کی شاپنگ کا کیا
مڑا ہے؟“
سندس کو کچھ حوصلے سے پکڑ کر وہ لہجہ دو لوں کے
قریب چلی آئی تھی۔ دس سال پہلے اسی ملک میں عید
کے موقع پر اس کا محبوب روڈ ایکسپریس کا شکار ہو کر
اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا تھا، مگر آج کسی اور کا
محبوب اس سے ٹا کر سرخرو ہو گئی تھی۔
”چلیں اربہ۔“
سالار اربہ کا ہاتھ تھامے اس سے پوچھ رہا تھا۔
جواب میں اس نے فوراً اثبات میں سر ہلادیا۔
زندگی لوٹ کر واپس اس کی دلیزیر آگئی تھی۔ اس
نے بے ساختہ ہر کھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا، تھوڑی
دیر پہلے آسمان پر نظر آنے والے روشن ستارے اب
جیسے اس کی خوشی پر مسکرا رہے تھے۔ اس نے دل ہی
دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر سالار کا ہاتھ تھام کر آگے
برہہ گئی کہ اب زندگی کے آپجیل سے اسے اپنے لیے
خوشیاں ہی خوشیاں چینی تھیں۔

بول۔ ”بھگن۔ کون سی بھگن۔؟“
”وہی جسے ساتھ لے کر آئے ہو امریکہ سے سب
کو ملوانے کے لیے۔“
”لو۔ ہانیہ کی بات کر رہی ہو یا رو تو مجھ سے ایک
روز پہلے ہی پاکستان آگئی تھی۔ اور اس کی شادی مجھ
سے نہیں، وہاں امریکہ میں اس کے ایک کزن سے
ہو رہی ہے۔“
”لیکن سندس تو کہہ رہی تھی کہ۔۔۔“
سالار کی وضاحت پر سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے وہ
بولی مگر پھر سندس کی شرارت سمجھ کر چپ ہو گئی۔
”کیا کہہ رہی تھی سندس۔؟“
”کچھ نہیں۔“ وہ دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا
تھا۔ اربہ سے سرائفانا محال ہو گیا۔
”نہیں کچھ تو کہہ رہی ہو گی اور یہ تم نے مندی
کیوں نہیں لگائی اب تک؟ چہرہ بھی مجھ کو کتنا رفا ہو رہا
ہے۔ اپنا خیال نہیں رکھتی ہو نا۔“
”نہیں۔ تم تو جیسے بہت خیال رکھ کر آرہے ہو
اپنا۔“
”وہو جواب دیتے ہوئے وہ وہی پانچ سال پرانی
اربہ بن گئی تھی! سالار پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے ہنس
پڑا۔
”ساری عمر یونی فائٹ کرتی رہو گی اربہ۔ کبھی
اچھی دوست نہیں بنو گی؟“
”نہیں۔“
”شاہ نواز اندیشی کو بھی نہیں چھوڑو گی۔“
”نہیں۔“
”اوکے پھر میں جا رہا ہوں واپس امریکہ۔“
”جا کر تو دکھاؤ۔ خون پی جاؤں گی تمہارا۔“
”اچھا۔ پچھلے پانچ سال میں یہ کام بھی شروع
کر دیا ہے۔“
اس کے چڑنے پر وہ پھر ہنسیا تھا اور اس بار اربہ کے
لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھری تھی۔